

کے دربار میں جا کر پڑھا، دربار میں کہرام مچ گیا کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا، سلطان اس قدر رویا کہ بچار آگیا اور بالآخر اسی صدمہ میں انتقال کر گیا۔

میر جنتی سے پھیپھالی میں آئے اور گنگا کے کنارے قیام پذیر ہوئے ششمہ میں سلطان غیاث الدین بلبن نے وفات پائی اور درباریوں نے اسکے خلاف وصیت اس کے پوتے کیتباد کو جو بغرا خاں کا بیٹا تھا تخت نشین کیا،

کیتباد نے امیر صاحب کو دربار میں طلب کیا لیکن چونکہ عنان سلطنت ملک نظام الدین کے ہاتھ میں تھی اور وہ امیر صاحب سے صاف نہ تھا، امیر صاحب نے تعلق پسند نہ کیا اور تھان جہاں جو امرائے شاہی میں تھا اسکی ملازمت اختیار کی،

خان جہاں اور وہ کا صوبہ دار مقرر ہوا اور امیر صاحب کو ساتھ لے گیا چنچا پنہ خود قرآن السعین میں فرماتے ہیں،

خان جہاں حاتم مفاہس افز	گشت بہ اقلع اور وہ سر فرراز
من کہ بدم چاکر او پیش ازان	کرد کرم انچہ کہ بد پیش ازان
تاز چنان بخشش خاطر فریب	بندہ شدہ لازمہ آں رکیب
در او دم بردہ ز لطف چنان	کیست کہ از لطف بتا بد عنان
در او دم از بخشش او تا دوسل	ایچ خم و نالہ بود از منال

دو برس تک او وہ میں رہے بلن کی والدہ کو اس سے حد سے زیادہ محبت تھی وہ دلی میں تھیں، اور ان کے خطوط آتے رہتے تھے کہ میں تم سے دور رہ کر زندہ نہیں رہ سکتی، امیر صاحب کو بھی ماں سے بے انتہا محبت تھی، چنچا پنہ سب تعلقات چھوڑ کر دلی میں آئے ماں نے گلے سے لگایا اور آنکھوں سے محبت کے دریابہ لے۔

مادر م آں خستہ بیمار من چوں نظر انگند بودید از من

پردہ زرد سے شفقت برگرفت اشک فشانماں بہ برم در گرفت

کیقبا وجب تخت سلطنت پر بیٹھا تو عیاشی اور رندی شروع کی، اس کا باپ بغرا خاں
بنگال میں تھا، یہ حالت سُکر بنگال سے روانہ ہوا، کیتباد نے داخلہ سے باپ کا مقابلہ
کرنا چاہا چنانچہ ایک عظیم الشان فوج تیار کر کے دلی سے روانہ ہوا، راہ میں نامہ و پیغام
ہوتے رہے، آخر صلح پر خاتمہ ہوا اور کیتباد دلی کو واپس گیا،

امیر صاحب نے باپ بیٹے کے اتحاد اور مصالحت پر ایک قصیدہ لکھا،
جس کے چند شعر یہ ہیں،

زہے ملک خوش چوں دو سلطان یکے شد	نہے عہد خوش چوں دو پیاں یکے شد
پسر بادشاہے پد رئیس سلطان	کنز ملک بی چوں دو سلطان یکے شد
ز مہر جہا ندر می و بادشاہی	جہاں داد و شاه جہاں یکے شد
یکے ناصر عہد مجدد سلطان	کہ فرمائش در چار ارکان یکے شد
دگر شہ معز جہاں کیتبادے	کہ در پیش ایران و توران یکے شد

کیقبا و چاہتا تھا کہ یہ واقعات نظم کے پیرایہ میں آئیں، امیر صاحب کو بلا کر یہ خواہش
ظاہر ہوئی چنانچہ امیر صاحب نے چھ مہینے کی مدت میں قرآن السعدین لکھی، جس میں باپ
بیٹے کے مراسلات اور ملاقات کا حال تفصیل سے لکھا ہے، اس وقت امیر صاحب کی عمر
۳۶ برس کی تھی اور سنہ ہجری ۸۸۸ تھا چنانچہ خود فرماتے ہیں،

ماختہ گشت از روش خامہ	از پیش شش ماہ چہنیں نامہ
در رمضان شد سجادت تمام	یافت قرآن نامہ سعدین تام
انچہ بہ تاریخ ز ہجرت گزشت	بودن شش صد و ہشتاد و ہشت
سال من امروز اگر برسی	راست بگویم ہشتہ شش بود سی

کہتھا و عیاشی میں بیمار ہو کر تین برس حکومت کے بعد فرشتہ ۷۷ میں مر گیا یا مار گیا، اس کے بعد اس کا خرد سال بیٹا شمس الدین کیگا اُس تحت نشین ہوا، وہ بالکل بچہ تھا، تین چھینے کے بعد امرائے دربار نے تخت سے آنار کر قید کر دیا، اب خاندان میں کوئی شخص دعویدار سلطنت نہیں رہا تھا اس لیے ترکی امرائے دربار میں سے ملک فیروز شاہِ شمس الدین خلیجی جس کی عمر ۷۷ برس کی تھی، اور جس نے دربار میں بڑا اثر حاصل کیا تھا، تخت سلطنت پر بیٹھا، اور سلطان جلال الدین خلیجی کے نام سے مشہور رہا، وہ بڑی عظمت و اقتدار و جلال کا بادشاہ تھا اس کے ساتھ نہایت صاحب مذاق، رنگین طبع، خوش صحبت تھا۔ شعر بھی کہتا تھا، چنانچہ بدایونی نے اس کے دو شعر بھی نقل کیے ہیں،

آن زلف پر نشانت ز ولیدہ نمی خواہم وال روئے چو گلنارست تقیدہ نمی خواہم
بے پیر منت خواہم یک شب بکنا رانی ہاں بانگ بلند ستاں پوشیدہ نمی خواہم
اجاب اور شریک صحبت بھی جس قدر تھے سب قابل اہل فن، موزوں طبع اور رنگیں مزاج تھے، مثلاً ملک تاج الدین کرجی، ملک محمد الدین، ملک احمد الدین، ملک قزایک، ملک نصرت، ملک حبیب، ملک کمال الدین، ابو المعالی، ملک نصیر الدین کمرانی، ملک سعد الدین، انیس اور ہم صحبت تھے،

اسی طرح اکثر بڑے بڑے اہل کمال ندیمی کے لیے انتخاب کیے تھے، چنانچہ

تاج الدین عراقی، خواجہ حسن دہلوی، موید جاجری، موید دیوانہ، امیر ارسلان
اختیار الدین باقی، نہائے خاص میں تھے، ساقی، معنی اور مطرب بھی وہ لوگ تھے جو نہ
میں انتخاب تھے، مثلاً امیر خاصہ، حمید، راجہ، نظام، محمد شاہ، نصیر خاں، بہروز،
ایسے گونا گوں صاحب مذاق بادشاہ کے لئے امیر صاحب سے

زیادہ کون موزوں ہو سکتا تھا وہ عالم بھی تھے، فاضل بھی، مغنی بھی، مطرب بھی، اور شاعر تو تھے ہی، معزا الدین کی قباد کے زمانہ میں جب سلطان جلال الدین عارض تھا، اُسی وقت اس نے امیر صاحب کو قدروانی کی نگاہ سے دیکھا تھا، چنانچہ معقول مشاہرہ مقرر کر کے خاص اپنا لباس عنایت کیا تھا، تخت پر بیٹھا تو امیر صاحب کو ندیم خاص بنایا اور مصحف داری اور عمارت کا عہدہ دیا، اس کے ساتھ جامہ اور کمر بند جو امراء کبار کا مخصوص لباس تھا ان کے لیے مقرر کیا، امیر صاحب امیر کے خطاب سے پکارے جاتے ہیں، اسکی وجہ یہ ہے،

امیر صاحب نے جلال الدین خلجی کے تمام فتوحات نظم کیے، اور تاج الفتوح نام رکھا، اس کی تفصیلی کیفیت آگے آئیگی، جلال الدین خلجی کو اس کے بھتیجے سلطان علاء الدین خلجی نے ۶۹۴ھ میں دھوکے سے قتل کر دیا، اور خود تخت نشین ہوا، سلطان علاء الدین نے اگرچہ دغا اور بے رحمی سے تخت سلطنت حاصل کیا تھا اور اگرچہ سختی اور سفاکی اسکی طینت کا جوہر تھا، تاہم بہت بڑے عزم، استقلال، شوکت و شان کا فرمانروا اگر ذرا ہے، تعجب انگیز فتوحات اور انتظامی کارناموں کو چھوڑ کر علی فیاضیاں بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں، اس کا دربار فقراء، علماء، فضلا، شعراء سے ہر وقت معمور رہتا تھا۔ ان میں بعض کے نام حسب ذیل ہیں،

قاضی فخر الدین نافلہ، قاضی فخر الدین کرمانی، مولانا نصیر الدین، غنی، مولانا تاج الدین مقدم، قاضی ضیاء الدین، قاضی ظہیر الدین لنگ، مولانا طہسیر الدین بھکرئی، قاضی زین الدین نافلہ، مولانا شریقی، مولانا نصیر الدین رازی، مولانا علاء الدین صدر شریف، مولانا میراں بابک کلمہ، مولانا مجیب الدین بیاضی،

۱۵ جس کو قرآن مجید رکھنے کی خدمت سپرد ہوئی تھی، اس کو مصحف دار کہتے تھے ۱۶

۱۷ یہ فہرست بدایونی سے ماخوذ ہے ۱۲

مولانا شمس الدین، مولانا صدر الدین، مولانا علاء الدین لاہوری، قباہی
شمس الدین کا زرونی، مولانا شمس الدین بخشی، مولانا شمس الدین، مولانا صدر الدین
پادہ، مولانا مصیبن الدین لولوی، مولانا افتخار الدین باندی، مولانا معیبر الدین،
اندپتی، مولانا نجم الدین، مولانا حمید الدین بلوری، مولانا علاء الدین کرگ، مولانا
حسام الدین سادہ، محی الدین کاشانی، مولانا کمال الدین کولوی، مولانا وحید الدین
کابلی، مولانا منہاج الدین، مولانا نظام الدین کلانی، مولانا نصیب الدین کرمی،
مولانا نصیر الدین بونی، مولانا علاء الدین تاجر، مولانا کریم الدین چوہری، مولانا محب
ملتان، مولانا حمید الدین، مولانا تاجران الدین بھکر، مولانا افتخار الدین، مولانا
حمید الدین ملتان، مولانا گل محمد شیرازی، مولانا حسام الدین سرحد، مولانا
شہاب الدین ملتان، مولانا فخر الدین نسوی، مولانا فخر الدین شتاقی، مولانا علیم الدین،
قربان، مولانا شاطی، مولانا علاء الدین سقری، خواجہ زکی،
عظیم، مولانا حسام الدین درویش، مولانا شہاب الدین، مولانا کریم،
شہزاد، خواجہ حسن دہلوی، صدر الدین علی، فخر الدین قواس، حمید الدین راجہ، مولانا
عارف عبدالحکیم شہاب الدین، لیکن امیر صاحب کے آفتاب کمال زمان ستاروں کو نور کر دیتا تھا
چنانچہ اس وسیع مرقع میں صرف امیر صاحب کی تصویر نمایاں نظر آتی ہے،
ان کے بعد اگر کسی کے خط و خال پہچانے جاتے ہیں تو وہ خواجہ حسن ہیں
کہ وہ بھی امیر صاحب ہی کا فیض ہے علاء الدین نے امیر صاحب کا ایک ہزار
سالانہ شکہ مقرر کیا تھا، امیر صاحب نے سلطان علاء الدین کی تمام فتوحات کو بہت
تفصیل سے لکھا، جس کا نام خزائن المفتوح ہے، تفصیل اس کی آگے آگے کی گئی،
۹۸ھ میں امیر صاحب کی والدہ اور ان کے بھائی حسام الدین نے انتقال کیا،
۱۰۰ھ تاریخ فرشتہ، غالباً یہ طوائف ہوگا،

چنانچہ لیلیٰ مجنوں میں اس واقعہ کو نہایت پرورد مرثیہ کی صورت میں لکھا ہے،
نظامی کی پنج گنج کا جواب اسی زمانہ میں لکھا، چنانچہ ہر کتاب سلطان علاء الدین
 کے نام سے مفعول ہے۔ سب سے آخری مثنوی ہشت بہشت ہے جو لکھنؤ میں تمام ہوئی
 اسی زمانہ میں امیر صاحب نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیا (محبوب الہی) کے
 ہاتھ پر بیعت کی چنانچہ تفصیل آگے آئیگی، سلطان علاء الدین نے اس برس
 کی حکومت کے بعد لکھنؤ میں وفات پائی اس کے بعد اس کا بیٹا شہاب الدین
 مدت حکومت تین ماہ اور اگلے بعد لکھنؤ میں قطب الدین مبارک بن علاء الدین
 خلجی بادشاہ ہوا، وہ اگرچہ نہایت عیاش، بے مفر، اور سبک سر تھا، لیکن
 امیر صاحب کی قدردانی سب سے بڑھ کر کی، چنانچہ امیر صاحب نے جب
 لکھنؤ میں اس کے نام پر مثنوی نہ سپر لکھی تو باقی برابر تول کر روپے دیے
 خود امیر صاحب قطب الدین کی زبان سے لکھتے ہیں،

پتار منہ بچوں من اسکندری	کند ہر کہ آرائش دفترے
ز گنج گراں مایہ بے شمار	دہم باریش نہ آن پللیار
مرا خود دریں رہ پد رشددلی	کہ می داد زم ترازوئے پیل
شناسد کہ کش خرد رہنوں	کہ از پللیار راست و ز نش فزون
چو میراث شد جلی زرد ادا نم	نہ زینا است زین مل تر د ادم
شہا گنج بخشا بکرم گستا	سحانی شناسا! سخن اورا
چنین بخشے کہ تو ہم یاقم	در آیام پیشینہ کم فیستم
کنوں لاد از سحر پنج چون	بہ اندازہ بخشش آمد سخن

قطب الدین خلجی نے ایک ہندو نو مسلم غلام کو خسر دھان کا خطاب دیکر قلعہ ان
 وزارت عطا کیا تھا، اس نے لکھنؤ میں قطب الدین کو قتل کر کے

خود تخت حکومت پر جلو کس کیا، چونکہ اس نے دربار میں تمام ہندو بھروسے اور
 خاندان شاہی پر طرح طرح کے ظلم کئے، امرار نے بغاوت کی، چنانچہ چار
 مہینے کی حکومت کے بعد تختہ میں غازی ملک کے ہاتھ سے قتل ہوا۔
 اب خلجی حکومت کا خاتمہ ہو گیا، اور امرار نے دربار میں سے غازی ملک نے
 جس کا باپ سلطان غیاث الدین بلبن کا ترکہ غلام اور اس کی ہندو بیٹی
 دربار میں پکار کر کہا کہ مجھ کو تخت سلطنت کی آرزو نہیں، خاندان شاہی سے کیوں
 تخت نشین کیا جائے، لیکن چونکہ خلجی خاندان میں سے کوئی شخص باقی نہیں رہا
 تھا اور ملک غازی کی خدمات کا تمام دربار معترف تھا، اس لئے سب نے اتفاقاً
 اسی کو بادشاہ بنایا، وہ سلطان غیاث الدین تغلق کے نام سے مشہور ہوا اس نے
 نہایت عدل و انصاف سے حکومت کی اور نئی نئی فتوحات حاصل کیں تغلق باد
 کا مشہور قلعہ اسی کی یادگار ہے، امیر صاحب کی اس نے نہایت قدروائی کی
 اور ان کو دولت اور مال سے نہال کر دیا، امیر صاحب نے بھی اس کے احسانات
 کا حق ادا کیا چنانچہ اس کے نام پر تغلق نامہ لکھا، جو تغلق کے عہد حکومت کی مفصل تاریخ ہے
 تغلق نے جب بنگال کا سفر کیا تو امیر صاحب تھ گئے، تغلق واپس آیا
 لیکن امیر صاحب وہیں رہ گئے۔ اسی اثنا میں نہر مشہور ہوئی کہ حضرت خواجہ
 نظام الدین اولیاء نے انتقال کیا، امیر صاحب یلغار کرتے ہوئے دلی میں آئے
 اور جو کچھ زر و مال پاس تھا، خواجہ صاحب کے نام پر نثار کر دیا، اتنی سیاہ کپڑے
 پہن کر خواجہ صاحب کی قبر پر مجاور ہو بیٹھے، چھ مہینے کے بعد ذیقعد ۷۲۵ھ
 میں انتقال کیا، خواجہ صاحب نے وصیت کی تھی کہ خسرو کو میرے
 پہلو میں دفن کرنا، لوگوں نے اس وصیت کی تعمیل کرنی چاہی، لیکن ایک خواجہ
 نے جو وزارت کا منصب رکھتا تھا کہا کہ لوگوں کو وہ دونوں قبروں کی تمیز

کرنے میں دھوکا ہوگا، غرض خواجہ صاحب کے پائنتی دفن کیا، اور اس سے
بڑھکر ان کی کیا خوش قسمتی ہو سکتی تھی، ان کا مقبرہ مہدی خواجہ نے جو سلطان بابک
اصرا میں سے تھا تعمیر کرایا اور ملا شہاب ممائی نے تاریخ کہہ کر لوح پر کندہ کرائی
شد عیدم الشش یکتایخ او داں وگر شد طوی شد مقال

اسی صاحب کو خدا نے فرزند ان معنوی کے علاوہ - اولاد ظاہری بھی عنایت
کی تھی، ان کے ایک صاحبزادے کا نام ملک احمد ہے، وہ شاعر تھے اور سلطان
فیروز شاہ کے دربار میں ندیم تھے، ان کی شاعری نے چنداں فروغ حاصل نہیں کیا لیکن
شعر اور شاعری کے وقائق سے خوب واقف تھے، اشعار کے عیب ہنر کو خوب
پر کہتے تھے، اور بہایت نازک اور دقیق نکتے پیدا کرتے تھے۔ چنانچہ اکثر اشدہ کے
اشعار پر جو حرف گیریاں کیں عموماً اہل فن اسکو تسلیم کرتے تھے ظہیر کا شعر ہے
کلاہ گوشہ حکم تو از طریق لغاد ربوہ از سر گردوں کلاہ جباری

ملک موصوف نے ربوہ کو گلندہ سے بدل دیا جس سے مصرع کج گرجست ہو گئی،
نہیں کی ہجو میں مشہور ہے،

ایں سہل سہل بود کہ گوگرد و خوست
گر نان خواجہ خواستی آں لاچہ کر دے
ملک صاحب نے یوں اصلاح دی،

ایں سہل سہل بود کہ آب حیات خواست
گر نان خواجہ خواستی آں راجہ کر دے
نان کے ساتھ آب حیات کے مقابلہ نے لطف پیدا کر دیا،
ایک اشدہ تھا،

گرو شک خواند خاک دریت ز خاک مرغ
زرخ گہر بلعن خسیدار نش کند،
ملک موصوف نے پہلے مصرع کو فیوں بدل دیا،

خزانہ مامرہ ۱۱۳۰ فرشتہ حالات خسرو ۱۱۳۰

گوئی خزانہ جنگ در دست شتری مرغی

لیکن انصاف یہ ہے کہ امیر صاحب کی یادگار سے ہم اس سے زیادہ توقع رکھتے تھے
 ہر لوفی نے ان اصلاحوں کو نقل کر کے بیچ لکھا کہ ملک ساحر چونکہ خسرو کی یادگار ہے
 اس لئے بادشاہ اور درباری اسکو بھی امیر کا تبرک سمجھتے تھے اور غنیمت جانتے تھے
 امیر صاحب کی ایک صاحبزادی تھیں لیکن سخت افسوس ہے کہ اسمن زمانہ
 میں خود ترقی کی ایسی بے قدری ہوئی کہ امیر کو ان کے پیدا ہونے کا سن تھا جب وہ
 سات برس کی ہوئیں تو امیر صاحب نے اپنی بیٹی کو امیر صاحب کی بیٹی کے خطاب
 کرتے ہیں

ہم خلیفہ بنام وہم دستور	اسے زحمت فسانہ برقعہ نور
درد ہم طفل ہشتاد صد بود	کاش ماہ تو ہم پر چند بود
باخدا دادگان ستیزہ خطا است	لیکن چوں دادہ خدائی رواست
اکاچہ اودا و باز تو ہاں داد	من ہاں رستم ہاں شہر عالم داد
ماورم نیز و خورشید است آفتاب	پر دم ہم زمانہ رواست آفتاب

پہلے آئندہ کی ہے کہ کاش تم پیدا ہوتیں یا ہوئیں تو بیٹی کے بجائے بیٹا ہوتیں
 پھر طرح طرح کی تادیبوں سے دل کو تسلی دی ہے کہ خدا کے دینے کو کون ٹال سکتا
 ہے اور آخر امیر باپ بھی تو خورشید سے پیدا ہوا اور میری ماں بھی تو آخر خورشید ہی تھی
 صاحبزادی کو جو بیٹھتیں گی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمن زمانہ میں خود ترقی
 کی حالت نہایت اہستہ تھی، تو اب امیر صاحب اس قدر صاحب دوست و دوستدار تھے
 لیکن بیٹی سے کہتے تھے کہ خبردار چرخہ کائنات چوڑا نا مار کی ہو کہ کسی کی یادگار ہو کہ
 دوک و سوزن گوارا نہیں است
 کلا بچہ پردہ پوشی بہر است
 پایہ دریاں عافیت مسکن
 رو چہ و پوہ و بخت و پردہ کن

در تماشائی روزنیت ہوس است روزنت چشم سوزن تو بس است
 امیر صاحب کو اپنی والدہ سے بے انتہا محبت تھی، بڑی عمر کو بھی پہنچ کر وہ اس
 جوشن محبت سے ماں سے ملتے تھے جس طرح چھوٹے بچے ماں سے پرٹ جاتے
 ہیں، اودہ کی مقول ملازمت صرف اس بنا پر چھوڑ دی، کہ ماں دلی میں تھیں اور
 ان کو یاد کیا کرتی تھیں، اودہ سے جب دلی میں آئے ہیں تو ماں سے ملتے کا حال
 اس جوش سے لکھا ہے کہ لفظ لفظ سے محبت کی شراب ٹپکتی ہے،

ایک موقع پر جب ماں سے ملے ہیں اور ماں نے سینہ سے لگایا تو ایک شعر بے
 اختیار زبان نکلا ہے یہ جیکسا مطلب یہ ہے کہ ماں کا سینہ بہشت ہے چنانچہ دو نہیں دودھ
 کی اُس میں جاری ہیں، ۶۹۸ء میں انہوں نے انتقال کیا، اسی سال کچھ عرصہ بعد
 حسام الدین نے بھی انتقال کیا، اپنی محبوبوں میں دونوں کا مرثیہ یکساں لکھا ہے،

نہ سال و نور ز اخترام رفت	بہم طر و ہم بہ اورم رفت
یک ہفتہ رنخت نفقت من	گم شد و دمہ دہ ہفت من
نہختہ از دوشکبہ وادچیم	چرخ از دو طمانچہ کردیم
ما تم دوش و غم دہفتاد	فریاد کہ ما تم دوافتاد
حیف است دودل غچوں بخورا	یک شعلہ بس است خرمے را
یک سینہ دوبار برنگیرو	یک سر دوشد برنگیرو
چوں مایور من بزرخاک است	گر خاک بسر کھم چہ پاک است
اسمادر من کجائی آخر	روی از پمنے نمائی آخر
خنداں ز دل زمین ببول کی	برگریہ زامن بہ بنشایے
ہر جا کہ ز پاسے تو عبیر است	ما را بہشت یادگارے است
فات تو کہ حفظ جان من بود	پشت من دشت بلل من بود

روئے کہ لب تو در سخن بود بند تو صمد سراج کارن بود

امروز سنجم بہ ہمسرہ پیوید خاموشی تو ہی دیدم

آن تالیش برس کی عمر میں ماں کو اس طرح یاد کرتے ہیں جس طرح کس چوہاں کیلئے
 بلکتا ہے اس سے آگے بھائی کے مرثیہ کے شعر میں اور وہی خون جگر سے رنکھیں ہیں
 امیر صاحب اگرچہ خاندان کے اثر سے شاہی دربار سے تعلق رکھتے تھے اور
 اسی قسم کی زندگی بسر کرتے تھے جو عام دنیا داروں کا طریقہ ہے، لیکن یہ امر ان کی
 اصل فطرت کے خلاف تھا، دربار واری، خوشامد اور شخص پرستی سے ان کو طبیعتاً نفرت
 تھی اور موقع بوق یہ خیالات بے اختیار ان کی زبان سے نکل جاتے تھے،
 یہی مجنون ۱۶۹۰ء میں لکھی تھی جب ان کو سلطان غلام الدین غلی جیسے جبار
 بادشاہ سے تعلق تھا، تاہم خاتمہ میں لکھتے ہیں،

شب تا حدر و صبح تا شام در گوشت غم نگیم آرام

باشم ز برائے نفس خود رائے پیش چو خود را، ستاؤہ برائے

اس پر مزید یہ ہوا کہ ان کے والد نے ان کو آٹھ برس کی عمر میں حضرت خواجہ
 نظام الدین ادیب کے قدموں پر ڈال دیا تھا اور برکت کے لئے بیعت کرادی تھی
 حضرت خواجہ کی روحانی تاثیر چپکے چپکے اپنا کام کرتی جاتی تھی، امیر صاحب کی طبیعت
 میں عشق و محبت کا مادہ بھی ازیں تھا، وہ ستر پاماشی تھے اور یہ بھی ان کی رنگ
 میں کوئی نہ پھرتی تھی۔ آخر یہ نوبت نہی کہ ۱۶۹۰ء میں جیسا کہ ذوالفضل الفوائد میں لکھا
 ہے خواجہ صاحب کے ہاتھ پر دوبارہ بیعت کی، خواجہ صاحب نے چار گوشہ کی ٹوپی جو اس
 سلسلہ کی نشانی تھی، عنایت کی اور مریدان خاص میں داخل کیا، قدرت اللہ قدرت و
 طبقات اشعار میں لکھا ہے کہ امیر صاحب نے جب خواجہ صاحب سے بیعت کی تو
 جو کچھ نقد اور اسباب تہا سب لٹا دیا اور پابدامن ہو کے پیٹھ گئے

خواجہ صاحب سے امیر صاحب کی ارادت اور عقیدت و محبت کے درجہ تک پہنچ گئی تھی ہر وقت ساتھ ساتھ رہتے تھے اور گویا ان کا جمال و بکھر جیتے تھے خواجہ صاحب کو بھی اُن کے ساتھ یہ تعلق تھا کہ فرمایا کرتے تھے کہ جب قیامت میں ان کو نکال کر نظام الدین کیا لایا ہے تو خسرو کو پیش کر دوں گا، دعا مانگتے تھے تو خسرو کی طرف سے اتنا کہ کیسے فرماتے تھے، اہی! بد سوز سینہ اس ترک مراد بخشش،

ایک دفعہ خواجہ صاحب سب دریا ایک کوسٹے پر بیٹھ کر، مجددوں کی عبادت اور شہنشاہ کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ امیر خسرو صاحب بھی حاضر تھے خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ہم ہر قوم راست راستہ دینے و قبلہ گاہ،

اس وقت خواجہ صاحب کی ٹوپی ذرا ٹھیر رہی تھی امیر صاحب نے اس کی طرف اشارہ کر کے برجستہ کہا،

ما قبلہ راست کر دیم بر طرف بکھلا ہے!

یہاں تک کہ ترک چہا گیری میں لکھا ہے کہ میری مجلس میں تو ایسا شعر گارہے تھے، میں نے اس کا شان نزول پوچھا، ملا علی احمد مرکن نے واقعہ بیان کیا، امر سرخ آخر سے ختم ہوتے ہوئے ملا علی حالت ہلکی شروع ہوئی یہاں تک غش کہا کر گئے دیکھا تو دم نہ تھا پہلے خواجہ صاحب نے امیر صاحب کو ترک اللہ کا خطاب دیا تھا، اور اسی وقت بکھارے

تھے امیر صاحب نے کہا بجا اسپر خضر کیا ہے، چنانچہ ایک قصیدہ میں جو خواجہ صاحب کی مدح میں ہے، فرماتے ہیں،

بر زبانت چوں خطائے ترک اللہ رفت دست ترک اللہ گیری و غیرہ

خواجہ صاحب نے وجہ تنبیہ کی تھی کہ خسرو کی قبر پر ہم کو نہیں لیں کہ ان کو دانا نہ بنی فرمایا کرتے تھے کہ اگر ایک قبر میں دو لاشوں کا دفن کرنا جائز نہ تھا تو میں اپنی ہی قبر میں ان کو بھی دفن کرتا (لے ترک چہا گیری) سب کو نہ مٹا کرتا

امیر صاحب کا قصہ یہ ہے کہ اس نے اپنے والد کو ہم جہان سے اور وہاں رہا تھا
یہ البتہ نظر آتا ہے کہ امیر صاحب کا خوشنویسوں کا گروہ ہے وہ اسی دادی امین کی مشیت
پر بیان ہیں

امیر صاحب کی صوفیانہ زندگی کا ایک بڑا واقعہ من و مہر کے تعلق سے
ہو گیا۔ حسن ہمایوت صاحب بھال گئے اور تان بائی کا پیشہ کرتے تھے امیر صاحب
کا عین شباب تھا کہ ایک دن اتفاق سے وہ ایک کی دوکان کے سامنے گزرے
آفتاب خورشید کی شعاعیں ان پر پڑی ہیں، وہ اس پر گئے اور پوچھا کہ کس صاحب
سے روٹی بیچتے ہو اس نے کہا کہ ایک پاڑے ہیں روٹی رکھتا ہوں اور خوب بیکار
کے کہتا ہوں کہ دوسرے ہیں سو نا کہتے سوئے کی پاڑے جھانک جاتا ہے تو روٹی حوالہ
کر دیتا ہوں، امیر نے کہا اور خریدار کس ہو جو حسن نے کہا تو سونے کے بدلے درو
اور نیاز لیتا ہوں، اس انداز گفتگو نے امیر صاحب کو اور بھی بے اختیار کر دیا فوراً
حضرت نظام الدین اولیا کی خدمت میں آئے اور واقعہ بیان کیا حسن نے گو
ناوک اندازی کی غلطی، لیکن خود بھی شکار ہو گئے۔ اسی وقت دوکان بند کر کے خواجہ
صاحب کی خدمت میں پہنچے، اور اپنے والد اور (امیر خسرو) سے ملے تعلق کی
خواجہ صاحب کی خدمت میں اکثر آتے رہتے تھے۔

امیر صاحب کا اس قدر تعلق استمیت ہے کہ دونوں ایک دم کے گئے تھے جہاں
انہیں سوئے تھے۔ امیر صاحب کے چچ خان شہید کی ملازمت کی تو حسن بھی ساتھ
سے یہ واقعہ اکثر ان کی دوستی میں منقول ہو گیا کہ انہوں نے مل کر
وہاں تک کہ امیر صاحب کو ملے ہوئے تھا کہ ان کی بہن بھانجیاں وہاں رہ رہی تھیں
اور وہ امیر صاحب کو ملے ہوئے تھا کہ ان کی بہن بھانجیاں وہاں رہ رہی تھیں
اور وہ امیر صاحب کو ملے ہوئے تھا کہ ان کی بہن بھانجیاں وہاں رہ رہی تھیں

لما زدم ہونے، چنانچہ شبستان میں خان شہید کو نانا تاریوں نے ہلاک کیا تو امیر صاحب
 کے ساتھ حسن بھی اُس موقع پر موجود تھے دونوں کے تعلقات کا چرچہ زیادہ
 پسلا تو لوگوں نے خان شہید سے شکایت کی امیر صاحب نے اُس موقع پر بغل بھی
 نہیں دلی خود کام کارمن پر رسوائی کشید
 خسرو افران دل بردن ہیں بار آورد
 خان شہید نے بدنامی کے خیال سے حسن کو امیر صاحب کے مٹنے سے منع کر دیا
 لیکن کچھ اثر ہوا۔ خان شہید نے غصہ میں اگر حسن کے ہات پر کوڑے لگوائے حسن
 سیدھے امیر صاحب کے پاس گئے، خان شہید کو اس وقت پرچہ لگا۔ نہایت
 متحیر ہوا اور امیر صاحب کو بلوا بھجا، آئے تو کہا کہ کیا حالت ہے؟ امیر نے
 آستین سے ہاتھ نکال کر دکھایا اور کہا، ارے

گواہ عاشق صادق در آستین باشد

دیکھا تو جہاں حسن کے کوڑے لگے تھے وہیں امیر صاحب کے ہاتھ پر بھی کوڑے
 کے نشان تھے۔

چونکہ حسن کا تذکرہ ہم الگ نہیں لکھتے، اور صنف غزل پر الکا خاص احسان
 ہے، اسلئے ان کے شیدائی، امیر صاحب ہی کے تذکرہ میں اُنکے اشار نقل کرتے ہیں
 خلق گویند بکلی از صبر بجا آورد باز
 ایدل از صبر نشاندہ اگر چاہستے
 ایکہ نظارہ دیوانہ دگر دی ہرگز
 قدے رنج کن این چو کہ سواست

برجوں تو اسے دگر گزیدن
 کارے دگرست، اکا صبر نیست
 فتنی کہ چسرا سجدائی از من
 ایں از فلک است، از صبر نیست

روزے کہ لب تو در سخن بود
 پند تو صلا ح کار من بود

باز این لم بہ سوی دلارامی رود
 از دام جستہ باز سوی دام می رود
 ایام درینا مدہ ہا ما بہ دوستی ،
 و ان شوخ ہم بہ سیرت ایام می رود
 اسے خواجہ مرحلہ تقوی قیام گیر
 در کوئی عاشقی نتوان نیک نام شد
 عقلم کہ زین بر ابلق ایام مے نہاد
 آخر بتناز یاد عشق تو رام شد

طرفہ سروکار سے است کہ ہا وعدہ عشق
 صابر نتوان بود و لطف ضامنوں کرد

از حسن این چہ سوال ست کہ مشوق کسست
 این سخن را چہ جواب است ، تو ہم می دانی

دوسہ بار ، تا تو گفتم کہ مرا یہ سچ بستن
 نہ شد اتفاق ، شاید کہ بہ این بہا گر اتم

تیغ کردم جانبیں را خواب
 ز ان دعا ہا کہ مستجاب نہود
 اس حسن یار اگر خطائے کرد
 ہم شکایت از او اصواب نہود

بہ تقوی نام نیکو برودہ بودم
 نکور رویاں ، مرا بہ نام کردند

گفتی کہ پیرا حال دل خویش ، نہ گوئی
 من خود کنم آغاز بہ پایاں کہ رساند
 ان اشعار سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جو سوز و گداز ما اور جذبہٴ واثر ،
 ان کے کلام میں موجود ہے۔ ان کے کشتہ محبت (ایسیہ صاحبہ)
 میں بھی نہیں ،

جامعیت اور کمالات ہندوستان میں چہ سو برس سے آہنگ ، اس وجہ کا جامع

[illegible]

ان سبب پر مستزاد ہو کہ اور میری منہ تکرار ہے کہ اگر ایسی کہیں ہے جس کا کلام میں قلم فارسی میں ہے اسی قدر روح ہوتا ہے کہ اس قدر فوس ہے کہ اس نمونہ کا آج نام و نشان بھی نہیں ہے

مختصہ زبانوں کی زبانیں کا یہ حال ہے کہ ترکی اور فارسی، عربی زبانوں کے مترادف ہیں اور پھر عربی کے ہمسایہ ہیں۔

سنگرت کے ماہرین، چنانچہ شبنوی نہ سپہ بین تو اطمح کے بوجہ میں اسکا ذکر کیا ہے

من قدرے بر سر ایں کارندم

شاعری کے بعد نثراری کا نمبر ہے، اس وقت تک کسی نے تشریکتے کے اصول اور قاعدے نہیں مرتب کئے تھے، انہوں نے ایک مستقل کتاب **الحجۃ خمسہ** دی، تین جلدوں میں لکھی، اور اگرچہ افسوس ہے کہ زیادہ تر زور، صنائع و باریع پر بیکار کیا، لیکن ان کی طبائی اور ذہانت سے کون انکار کر سکتا ہے

مستحقق میں یہ کمال پیدا کیا کہ نایک کا خطاب، ان کے بعد آج تک ہر کوئی شخص حاصل نہ کر سکا، چنانچہ اس کی تفصیل مستقل عنوان میں آتی ہے،

اور مختلف بحیثیات، مشغلوں کے ساتھ فقر و تصوف کا یہ رنگ ہے، کہ گویا عالم قدس کے سوا دنیائے فانی کو نظر اٹھا کر نہیں دیکھا، چنانچہ اس کا ذکر بھی الگ عنوان میں آئے گا،

ان سب باتوں کے ساتھ جب اسپر نظر کی جاتی ہے کہ ان کو ان کاموں میں مشغول ہونے کے لئے وقت کس قدر ملتا تھا، تو سخت حیرت ہوتی ہے۔ وہ ابتدا سے ملازم پیشہ تھے اور درباروں میں تمام دن حاضری دینی پڑتی تھی۔ کام جو سپرو تھا، دو شاعری نہ تھی، بلکہ اور اور اشغال تھے، بیل جھنوں کے قائمہ میں لگاتے ہیں

سکین من مستند مد ہوش

از شوغلی چو دیگ پر ہوش

شب تا سحر در صبح تا شام

در گوشہ تخم نہ نگہم آرام

با شہم ز برائے نفس خود را نمی

پیش چو خودی مستادہ بر پاسے

تا خون نہ رود ز پایے تا سر

و ستم نہ شود ز آب کس تر

جب تک پاؤں کا پسینہ سرنگ نہیں پہنچتا، لکھنا کھلنے کو نہیں ملتا

ان حالات کے ساتھ اگر صانع قدرت ان کے پیدا کرنے پر ناز کرے تو چند ان

نے نجی نفس پروری کی وجہ سے اپنے ہی پیسے کے لگے صبح تا شام تک صوب کھڑا تھا ہوں۔

موسیقی امیر صاحب کی ہر گز طبیعت نے اس نازک اور لطیف فن پر بھی توجہ کی: اور اس درجہ تک پہنچا کہ چہ سو برس کی وسیع مدت نے بھی ان کا جواب پیدا نہ کیا، ان کے زمانے کا مشہور ہجرت اُستاد جو تمام ہندوستان کا اُستاد تھا، نایک گوپال تھا، اسکے بارہ شاگرد تھے جو اسکے سنگھاسن یعنی تخت کو کہا روں کی طرح کاٹھن پر بیکر پہلے تھے سلطان علاء الدین خلجی نے اس کے کمال کا شہرہ سنا تو دربار میں بلایا، امیر صاحب نے عرض کی کہ میں تخت کے نیچے چھپ کر بیٹھتا ہوں، نایک گوپال سے کانے کی فرمائش کیجئے، نایک نے چہ مختلف جلسوں میں اپنا کمال دکھایا، ساتویں دفعہ امیر صاحب بھی اپنے شاگردوں کو بیکر دربار میں آئے، گوپال بھی ان کا شہرہ سن چکا تھا، ان سے گمانی فرمائش کی امیر صاحب نے کہا میں غل ہوں، ہندوستانی کا ناچہ یوں ہی ساجاتا ہوں، پہلے آپ کچھ سنائیں تو میں بھی کچھ عرض کروں گا۔

گوپال نے گانا شروع کیا۔ امیر صاحب نے کہا یہ راگ تو مدت ہوئی میں باندھ چکا ہوں بہر حال اسکو ادا کیا، گوپال نے دوسرا راگ شروع کیا۔ امیر صاحب نے اسکو بھی ادا کر کے بتایا کہ تو پہلے میں اسکو ادا کر چکا ہوں، اس عرض گوپال جو راگ راگنی اور سر ادا کرتا تھا، امیر صاحب نے اسکو اپنا ایجاد ثابت کر جاتے تھے، بالآخر کہا کہ یہ تو عام باناری راگ تھے، امیر صاحب نے خاص ایجادات سناتا ہوں، پہر جو گانا شروع کیا تو گوپال مبہوت ہو کر رہ گیا۔

مالگیری علی غلامی فقیر اللہ جس کا لقب سیف خان تھا ایک مشہور امیر تھا، تاجر علی ناسی کی شان میں کہا ہے:
 افکار و جہان طوطی را آئینہ فی خیمہ مد علی گر نیا شد سیف خان عالم نفس و کائنات
 وہ موسیقی کا بڑا ماہر تھا، فن موسیقی کی ایک مستند کتاب نازک و دلچسپ، فقیر اللہ نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا ورنہ بہت قوی و واضع کہئے اور اس کا نام راگ و ریتم کہا، چنانچہ ناشر اور ملاحظہ و ملاحظہ و ملاحظہ
 مولد میں فقیر اللہ مذکور ہی اس کتاب کا ایک قدیم نسخہ میرے پاس ہے، اور ایک نسخہ کے قریب ہے، میں نے
 کرپال اور احمد اور انیدہ امین خسرو کی ایجادات سنیں۔ ناسی کا ترجمہ ہے۔

امیر صاحب چونکہ ہندی کے ساتھ فارسی راگون سے بھی واقف تھے۔ اس لئے انہوں نے
دونوں موسیقی کو ترکیب دیکر ایک نیا علم پیدا کر دیا۔ چنانچہ ان کے ایجاد کردہ
راگ حسب ذیل ہیں۔

نام راگ ہائے مختصر امیر خسرو کن راگون سے مرکب ہے

مجموعہ۔ فارادریک فارسی راگ سے مرکب ہے

ساز گری، پوربی، گورا، کنگلی اور ایک فارسی راگ قرآن السعدین میں اس کا ذکر کیا
ہے چنانچہ کہتے ہیں۔

زمزمہ ساز گری در عراق، کردہ بہ گلبنگ عراق اتفاق،

اہلین، ہنرول اور نیرینا

عشاق، سازنگ اور بسنت اور نوا،

مواقف، توڑی و مالری و دو دگاہ حسینی

عظم، پوربی میں ذرا تغیر کر دیا ہے۔

نام راگ ہائے مختصر امیر خسرو کن راگون سے مرکب ہے

ریاضت۔ کہٹ راگ میں شدہ ناز کو ملا یا ہے،

فرشتہ۔ کنگلی اور گورامیں فرغانہ ملا یا ہے،

سحر پودہ۔ سازنگ، بلاول، اور راست کو ترکیب دیا ہے،

باختر۔ ویکار میں ایک فارسی راگ ملا دیا ہے،

فردوس (یا) فردوس۔ کانہ (گوری، پوربی، اور ایک فارسی راگ سے مرکب ہے

مستم۔ کلیان میں ایک فارسی راگ شامل کیا ہے،

سنہ راگ درپن کے دو نسخے جو میرے استعمال میں ہیں دونوں غلط ہیں۔ اس لئے راگون کے نام

صحیح نہیں رہے گئے۔ اس لئے کہیں کہیں میں نے صرف صورت نویسی کر دی ہے،

راگ دیوان میں لکھا ہے کہ ان راگوں میں سب زگری باخدا عشاق اور موافق ہیں جو سب
کا کمال دکھایا ہے، باقی راگوں میں کچھ یوں ہی اول بدل کر کے دوسرا نام رکھ دیا ہے
قول، اتانہ، انیال، نقش، انگار، بسینط، تالانہ، سولہ ایہ سب بھی امیر صاحب کی ایجاد ہیں۔
ان میں سے بعض خواص ان کی ایجاد ہیں، بعض کے نام ہندی میں پہلے موجود تھے امیر
صاحب نے ان میں کچھ تصرف کر کے نام بدل دیا،

تصانیف [جہاں] نے نجات الائنس میں لکھا ہے کہ امیر صاحب نے ۹۲ کتابیں تصنیف کیں
یہ بھی مشہور ہے کہ امیر صاحب نے خود کسی کتاب میں تصنیف کی ہے کہ میرے اشعار
پانچ لاکھ سے کم اور چار لاکھ سے زیادہ ہیں۔

امیر صاحب کی کثرت تصنیف سے کس کو انکار ہو سکتا ہے؟ لیکن بیانات مذکورہ
بالا معائنہ سے خالی نہیں، چار پانچ لاکھ اشعار کی یہ کیفیت ہے کہ قلم نگاروں میں
سفر کو بیت کہتے تھے، اور یہ استعمال نہایت کثرت سے مروج ہے۔ اس نہ پانچ
کی ہر قسم کی تصانیف کی۔ ۵ لاکھ سطرین ہوں، تو حسب حال تعجب نہیں رہتا
لوگوں نے بیت اور شعر کو سرواں سمجھ کر بیت کی جگہ شعر لکھ دیا، ہندی کا نام دینا
نہیں ہوا، اس لئے میرا شعر کے لئے کافی موقع ہے، اور حال جس قدر تصنیفات آج
مٹی میں نہ بھی کم نہیں، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

دیوان [تصنیف] امیر صاحب نے اس کے دیباچہ میں خود لکھتے ہیں کہ یہ سب پہلا دیوان ہے جس میں
۱۲ برس کی عمر سے ۹۰ برس تک کا کام دیوان میں سمیٹا گیا ہے۔ اس میں ۱۲ برس کا کام اس

لئے امیر صاحب نے پہلے دیوانوں کے دیباچہ میں تصنیف کے متعلق کچھ حوالے دیے ہیں، انھوں نے تصنیف و تالیف کا ذکر کیا ہے
اسوقت میری عمر ۹۰ اور دیوانوں کے دیباچہ میں نظر سے گذرے ہیں لیکن اس وقت سائے نہیں اس لئے ان کی نسبت
میں جو کچھ لکھتا ہوں وہ ڈاکٹر پر آئی، اسی دیباچے کے اس کو ملاحظہ ہو۔ جو انہوں نے برٹش میوزم کے
کتابخانہ کی فہرست میں لکھا ہے، اس تصنیف کے متعلق میں مولوی عبدالقادر پروفیسر نے کالج کامنوں ہوں

بین جو قصائد بین، سلطان شہید، کتو خان و غیرہ کی مدح میں ہیں،
عزۃ الکمال۔ یہ دیوان اپنے بھائی علامہ الدین علی خطاط کے اصرار سے مرتب کیا، ۳۴ برس
کی عمر میں ۹۵۰ھ سے تقریباً ۹۹۵ھ تک کا کلام ہے۔ دیباچہ میں اپنی مختصر سی سوانح عمری
لکھی ہے سلطان محرز الدین بیکتبار اور جلال الدین خلجی کے مدحیہ قصائد میں دو ہفتہ میں
اسکی ترتیب دی اور دیباچہ لکھا،

تفسیر تفسیر۔ بڑے محابے کا کلام ہے، تاریخ مایلہف مذکور نہیں لیکن سلطان علامہ الدین خلجی کا مشہور
اس میں موجود ہے۔ اس نے کم از کم ۹۵۰ھ کے اپنے تک کا کلام ہے،
ہمایۃ الکمال۔ پانچواں دیوان ہے، اس میں غزلوں کے علاوہ قطب الدین مبارک خلجی
المتوفی ۸۰۲ھ کا مرثیہ اور اس کے ولی عہد کی مدح میں ہیں، ایک قصیدہ میں ۹۵۰ھ کا ایک
واقعہ مذکور ہے اور اس میں بین جناب امیر خسرو نے انتقال کیا ہے۔

قصر السورین۔ سب سے پہلی شہسوی ہے ۹۵۰ھ میں جبکہ مصنف کی عمر ۳۰ برس کی
تھی لکھی، بیکتبار اور بغیر خان کے مراسلات اور صلح و ملاقات کا حال ہے۔
مطلع الاقوال۔ مخزن الاسرار کا جواب ہے، سلطان علامہ الدین خلجی کے نام پر لکھی،
۳۳ شعریں، دو ہفتہ میں تمام ہوئی، سال اختتام ۹۹۵ھ ہے، تصوف کے مضامین
ہیں اور شیخ گنج کے سلسلہ کی پہلی کتاب ہے،

شعیرین خسرو۔ رجب ۹۹۵ھ میں تمام ہوئی ۱۲۴ شعریں
آفتیہ اسکندری۔ سکندر نامہ کا جواب ہے، سال اختتام ۹۹۹ھ ہے، اشعار کی

تعداد ۵۰۴،

پہلی مجموعہ۔ ۲۶۶۔ ۹۹۹ھ میں ختم ہوئی،

ہشت ہشت۔ سلسلہ شیخ گنج کی سب سے اخیر شہسوی ہے ہفت پیکر نظامی کا جواب
ہے، ۸۳۸ شعریں پورا ختم سلطان علامہ الدین خلجی کے نام پر

کل ۸ ہزار شخصین، احمسنہ نظامی میں ۲۸ ہزار شخصین، پانچوں گنا میں دو برس کی مدت میں تمام ہوئیں۔

تاج الفتوح

سلطان جلال الدین فیروز شاہ کی تخت نشینی کے سال اول یعنی ۶۸۷ھ سے جمادی الآخر ۷۱۹ھ تک کے حالات ہیں، اور اسی سنہ میں یہ شہنشاہی تمام بھی ہوئی، مطلع یہ ہے۔ سخن بزنام شاہ کرم آغاز۔

نہ سپر

قطب الدین خلجی کے نام پر ہے، نو باب ہیں۔ اور ہر باب جدا گانہ بکھرے ہیں اس مناسبت سے نہ سپر نام رکھا ہے، اس وقت امیر خسرو کی عمر ۶۵ برس کی ہو چکی تھی ۷۱۹ھ میں تمام ہوئی۔

دول رانی و خضر خان

دول رانی۔ گجرات کے راجہ کی لڑکی تھی، خضر خان سلطان علاؤ الدین کا بیٹا تھا۔ وہ دول رانی پر عاشق ہو گیا تھا۔ اور اس سے شادی کی، خضر خان نے خود یہ حالات بطور یادداشت لکھے تھے۔ اس کی فرائش سے امیر جہا چہ نے اس کو نظم کا لباس پہنایا اور عشقیہ نام رکھا چار چہینے میں تمام ہوئی، ۷۲۰ھ شہر تھے خضر خان کے مرے پر دول رانی کو جو واقعات پیش آئے، ان کو لکھا تو ۷۲۹ھ میں کا اضافہ ہوا ۷۳۵ھ میں تمام ہوئی۔

افضل الفوائد

خواجہ نظام الدین اولیا کے ملفوظات ہیں۔

اعجاز خسروی

تشریفی کے اصول اور قواعد منضبط کئے ہیں۔ اور سیکڑوں صنعتیں

انصراف کی بہن سلیمہ میں تمام ہوئی۔ تین جلدوں میں ہے،
تعلق نامہ۔ غیاث الدین تغلق کے حالات اور فتوحات ہیں،
خزائن الفتوح۔ سلطان علاؤ الدین کے فتوحات ہیں۔
مشیا قہر ہند تاریخ وطنی۔ ان کتابوں کا ذکر دولت شاہ نے کیا ہے۔
دولت شاہ نے لکھا ہے کہ ابن تصنیفات کے علاوہ فن حساب، اور فن موسیقی
میں بھی اُن کو تصنیفیں ہیں،

شاعری امیر صاحب اگرچہ ہندی نثر اوستے، لیکن ایرانی شعر کو بھی اُن کی شاعری
اور نثر اندازی کا اعتراف کرنا پڑا۔ جامی بہارستان میں لکھتے ہیں کہ خسرو نظامی کا
جواب خسرو سے بہتر کسی نے نہیں لکھا، طوطی ہند جو اُن کا خطاب تھا ایرانی بھی اسی
خطابے اُن کو یاد کرتے ہیں،

عرفی

بہ روح خسرو ازین پاری شکر وادم کہ کام طوطی ہند وستان شود شیرین
خواہد رفت اشک شکن شود ہند و طویان ہند زین قند پاری کہ بہ ہنگامہ میرود

آوری نے جو امیر الاسرار میں لکھا ہے کہ شیخ سعدی شیرازی خسرو سے سننے کے
لئے شیراز سے دہلی میں آئے، اگرچہ یہ روایت قرین قیاس نہیں، اور بعض تذکرہ نویسوں
نے حراۃ اس واقعہ سے انکار کیا ہے تاہم اس سے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ آوری
کے نزدیک خسرو اس پایہ کے شخص تھے کہ سعدی کا اُنکی ملاقات کے لئے سفر کرنا ممکن
تھا اور اس قدر تو نامور ہوں اور تذکرہ نویسوں کو تسلیم ہے کہ جب سلطان شہید نے
سعدی کو شیراز سے بلایا تو انہوں نے پڑھنے کا حذر کیا اور لکھ بھیجا کہ خسرو جو ہر قابل ہیں
اُن کی تربیت کی جائے اسوقت میں ان کی عمر تیس برس سے زائد نہ تھی،

تاہم بعض بعض ایرانی شعرا قومی تعصب کو چھپا نہیں سکے، علیحدہ ایک شاعر

جو امیر صاحب کامصر ہے کہتا ہے۔

غلط افتاد خسرو راز غلے

کہ سبکناخت در دیگ نظامی

امیر صاحب کی شاعری قدرتی تھی، وہ ماں کے پیٹ سے شاعر پیدا ہوئے تھے۔
اُن کے باپ دادا، شاعری سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھتے تھے۔ بلکہ قلم کے بجائے
تنبیج سے کام لیتے تھے، تاہم امیر کے دودھ کے دانٹ بھی انہیں ٹوٹے تھے۔ کہ اُن
کی زبان سے بے اختیار شعر نکلتے تھے، دیباچہ غزۃ الکمال میں خود کہتے
ہیں،

دران صقر سن کہ دندان سے افتاد ماخن سے گفتم دو گوہر از وہانم

میرناخت،

دیوان تحفۃ الصفر کے دیباچہ میں لکھتے ہیں

چون مرآت اساتذے سمر آمدہ بر سر نیامدہ بود کہ بر سر و قلق

وال شدرے داہوئے مشکبار قلم راز سوا و خطا باز آوردے،

ایک مدت تک دیوان ہی بطور خود کہتے رہے، اُستاد کے بجائے اساتذہ کے دیوان گھسانے
رکھ کر ان کا تنبیج کرتے تھے جس دیوان کا مطالعہ کرتے تھے اسی انداز پر کہنا شروع
کرتے خاقانی کا کلام دیکھا تو بہت مخلق نظر آیا، اس کے الفاظ اس کے لیکن خود تحفۃ الصفر
میں لکھتے ہیں کہ اس کا تنبیج نہ ہو سکا، پہلا دیوان بالکل بے صدا ہی، امیر صاحب کو مرتب
کرتا بھی نہیں جانتے تھے، لیکن بھائی کی خاطر سے مجبور ہو گئے،

لیکن بالآخر وہ اپنا کلام اساتذہ کو دکھانے لگے ہشت بہشت کے خاتمہ
میں تصریح کی ہے کہ یہ کتاب شہاب ثانی اصلاح یافتہ ہے، شہاب کی پہلے نہایت تعریف
کی ہے، پھر کہتے ہیں،

اوہ اصلاح رائد خانہ خویش

من بار و عرضہ کردہ نامہ خویش

دید ہر نکتہ را رقصم بہ رقصم رنج بر خود بہاد و منت ہم
نظرے تیز کرد و موئے شکاف نے بہ عیا نظارہ بگذاشت
این وقائع کہ شذر و خشر پست مویو شعر سب ذکر وہ دوست
سبع من یافتہ ضیا ازوے مس من گشتہ کیمیا ازوے
ہر چہ او گفت من بہاد و گوش بر کشیدم گس ز شریت نوش
وانچہ نمود و من نہ جستم پے عیب آن بر من است نہ بروے
یارب او چون بہ رنج نامہ من بردیرون خطائے خامہ من
نامہ او کہ حسد زہانش بادا در قیامت خطا زہانش بادا

آخر کے شعر و نئے معلوم ہوتا ہے کہ پانچون شہویان شہاب کی اصلاح دادہ ہیں، یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امیر صاحب نے مقلد نہ تھے، جہاں انکو اصلاح کی وجہ تھی، انہیں اتنی تھی وہاں استاد کی رائے تسلیم نہیں کرتے تھے، گو ادب کا پاس اب بھی ملحوظ کرتے تھے۔

ع عیب آن بر من است نہ بروے

کیا عجیب بات ہو وہ استاد جس کے دامن تربیت میں آپ عجیب شخص بن کر بڑا ہوا آج اسکا نام و نشان تک معلوم نہیں، معاصر استادوں کے علاوہ امیر صاحب نے قدیم استادہ سے بھی بہت فیض حاصل کیا ہے وہ انکے کلام کو سامنے رکھ کر کہتے تھے، اور اسی طرح اس کا ذمہ اٹھاتے تھے جس طرح کوئی شاگرد زندہ استاد سے شاعری سیکھتا ہے اسی بنا پر اسی پانچون نظماں کی نسبت کہتے ہیں۔

زندہ است بہ معنی دوست تمام در نیست منش من حیات داند ہم
شیخ سعدی سے استفادہ کا اشارہ کرتے ہیں، شیرہ از خانہ مستی کہ در شیراز بود،

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ امیر صاحب جوانی کے جوش میں اکثر اساتذہ کی شان میں
گستاخی کرتے تھے چنانچہ جب مطلع الاوار لکھتے ہوئے یہ شعر کہا،
گو کہ خسرویم شایبند زلزلہ در گور نظامی فلند

تو غیب سے ایک تلوار نکلی، اور خسرو کی طرف بڑی حسد سے حضرت خواجہ نظام الدین
اوپر کیا تھام لیا، دفعۃً ایک ہاتھ نمودار ہوا اور اس نے آستین تلوار کے سامنے کر دی
تلوار آستین کو کاٹتی ہوئی ایک پیری کے درخت پر چا لگی، واللہ اعلم

خسرو نے مطلع الاوار شدہ میں لکھی ہے، اسوقت ان کی عمر ۲۷ برس
کی ہو چکی تھی یہ شباب کا زمانہ کہاں ہے، شباب کے زمانہ میں انہوں نے
غرق الکمال مرتب کیا ہے اُس کے دیباچہ میں صاف لکھتے ہیں کہ میں تھوڑی دیر
نظامی کا پیرو اور شاگرد ہوں،

اسی زمانہ میں قرآن السعدین لکھی اُس میں لکھتے ہیں،

نظم نظامی بر لطافت چو دُر	وزدرا و سر بسر آفاق پُر
چشتہ از دشت چو حانی تمام	خام بود سخن سودائے خام
بگذرا زین خانہ کہ ہما کو نیست	دین رہ باریک بائے تو نیست
کابلہ سے داری جان اندر دست	ہرچہ تو دانی بر ازان اندر دست
تا بود این سکہ بر عالم درست	بر تن تو کے بود این شقہ چست
تھوڑی اور است نہائے بگوئے	بشنوش از دور و دوعائی بگوئے
این ہمہ نال صاف نگر و نیست	گر تو نہ بینی داگرے کو نیست

نظامی کی نسبت بیجا انجمن میں لکھتے ہیں،

زندہ است جہتی او ستادام در نیست منش حیات دادم

غرض امیر صاحب نے کبھی اساتذہ کی استادی سے انکار بنایا کیا وہ تمساح

استادوں کا ہنایت ادب کرتے تھے۔ مطلع الانوار میں جو کہہ دیا ہے وہ ایک اتفاقاً
فخریہ بخش قحاس سے نظامی کی تحقیر منظور نہ تھی،

امیر صاحب کے حالات شاعری میں یہ سب عجیب تر واقعہ ہے کہ وہ اپنے
کلام پر آپ ریو یو کرتے ہیں، اور ایسی بے لاگ رائے دیتے ہیں کہ انکا دشمن سے دشمن
بھی ایسی آزادانہ رائے نہیں دے سکتا، قرآن السعدین میں انہوں نے کینقاہ اور
بغیر اخان کا حال لکھا ہے، لیکن اصلی واقعہ کو چھوڑ کر خاص خاص چیزوں کی تعریف میں
اس قدر مصروف ہو جاتے ہیں کہ واقعات کا سلسلہ بالکل ٹوٹ جاتا ہے اور کلام
ہنایت بے ربط ہو جاتا ہے، اس عجیب کو خود ظاہر کرتے ہیں۔

وصف بران گو نہ فروزانہ ام	کز غرض قصہ فروزانہ ام
عجیب چنان نیست کہ ہفتہ ام	کا پچہ بگویند ہر گفتمہ ام ہا
چون نم اندر قلب کان نوش	مصرف بخمر بہ نقصان خوش
عجیب یک نیست کہ جوید باز	چون ہم عجیب است چگویند باز

عزۃ الکمال کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ شاعر کی تین قسمیں ہیں،
استاد تمام، جو کسی طرز خاص کا موجد ہو، جیسے حکیم سنائی، انوری، ظہیر، نظامی، استاد
نیم تمام، خود کسی طرز خاص کا موجد نہیں، لیکن کسی خاص طرز کا پیرو ہے، اور اسی میں
کمال ہم پہنچا ہے،

سائق، جو اوروں کے مضامین چراتا ہے، پہر لکھتے ہیں کہ استادی کی چارہ شرطیں ہیں
طرز خاص کا موجد ہو، اس کا کلام شعر کے انداز پر ہو، اصولی ہو، اور اخلاقی ہو،
طریقہ پر نہ ہو، غلط بیان اور لاشرین نہ کرنا ہو،

یہ شرط لکھ کر فرماتے ہیں کہ میں درحقیقت استاد نہیں، اور میں نے یہ شرطیں یاد
میں سے مجھ میں صرف دو شرطیں پائی جاتی ہیں، یعنی میں استاد نہیں کہہ سکتا اور میں

کلام صوفیوں اور واعظوں کے انداز پر نہیں، لیکن دو شرطیں مجہدین موجود ہیں اول
تو میں کسی طرز خاص کا موجد نہیں، دوسرے میرا کلام لغزشوں سے خالی نہیں ہوتا
خود ان کے الفاظ یہ ہیں،

بندہ را از ان چهار شرط استادی کہ گفتہ شد، اول شرطی کہ ملک طراست
بر حکم اجرائے کہ در مجرائے قلم جریان یافت، کہ چندین استاد را متابع
کلمات بودہ ام،

چون پس روضہ تر ہر سودم پس شاگردم نہ استادم
و شرط دوم آنکہ در تافہ سودا و بوسے خطانہ باشد از ان تیر دم نتوانم زد کہ نظم
بندہ اگرچہ بشیر روان است، اما بجا بجا در غزل و نثر غریبی نہ است درین
دو شرط معترفم کہ از لاف استادی قریب ہر فال نتوانم غلطانید،
کیا دنیا میں اس سے زیادہ کوئی انصاف پرستی اور بے نفسی کی مثال مل سکتی ہے،
امیر صاحب کے کلام پر ریو پو کرنے کے لئے اس سے زیادہ بڑھ کر کیا دلیل راہ
ہو سکتی ہے،

امیر صاحب نے بتا دیا ہے کہ وہ اصناف سخن میں سے کس صنف میں کس
کے پیرو ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے۔

مغزل	سودی	شنوی	نظامی
مواظ و حکم	سنائی و دق قافی	قصائد فی البدیہ و نیشاپوری و کمال فیہ نظامی و السامانی	
لیکن نشرین کون تبارے؟ یہ کس کا منہ ہوا ہم دبی زبان سے صرف اس قدر کہہ سکتے			
ہیں کہ بعض کلام میں (مترن السعیدین و اعجاز خسروی) لفظی رعایت بہت ہے جو شمع			
حکمت کی حد تک پہنچ گئی ہے، بعض جگہ بالکل نکالت اور آدھ ہے،			

سلف یہ واقعہ جس قدر عقل کے خلاف ہے اسی قدر تاریخ کے بھی مخالف ہے ۱۲ غلطہ صفحہ ۴۰

امیر صاحب نے شعر و شاعری کے متعلق دیوان کے دیباچہ میں بہت کچھ لکھا ہے جن سے اس فن کے متعلق مفید نتائج حاصل ہو سکتے ہیں غزوة الکمال کے دیباچہ میں اسپر حاش کی جو کہ فارسی اور عربی شاعری میں کسکو ترجیح ہے فیصلہ فارسی کے حق میں کیا جاوے اور کی دلیلیں لگی ہیں

(۱) عربی میں ایسے زحافات ہیں کہ اگر فارسی میں ہوں تو کلام ناموزون ہو جائے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فارسی کے اوزان ایسے منضبط اور لطیف ہیں کہ دوسری کئی بیشی کی برداشت نہیں کر سکتے، (۲) عربی زبان میں ایک ایک سبب کے لئے متعدد مصروف الفاظ ہیں ایسے شاعری آسان ہے، ایک لفظ کسی وزن یا بحر میں گہرے گا تو دوسرا موجود ہے بخلاف اسکے فارسی میں نہایت محدود الفاظ ہیں، باوجود اسکے فارسی شعرا پر میدان شاعری تنگ نہیں؛

(۳) عربی زبان میں صرف قافیہ ہے، ردیف نہیں،

اب غور کرو عربی زبان کو متعدد طرح کی وسعت حاصل ہو، وزن اتنا وسیع کہ جتنے زحافات چاہیں آجما کر تے جائیں، لفظوں کی بہتات کہ ایک لفظ کے بجائے دوسرا اور دوسرے کے بجائے تیسرا موجود ہے، ردیف کی سرے سے ضرورت ہی نہیں، ان کے قافیہ پر مدار ہے، جس قدر قافیہ ملتے جاتے جاتے جاؤ، ان سب دستوں کے ساتھ ما عربی شاعری فارسی شاعری پر غالب نہیں آ سکتی،

اسکے علاوہ عرب کا شاعر اگر ایران میں آئے اور برسوں قیام کرے تاہم فارسی زبان میں شعر نہیں کہہ سکتا، لیکن ایران کا شاعر بے تکلف عربی میں شاعری کر سکتا اور خوشی اور سنبھو یہ بھی تھے لیکن زبان دانی میں عرب عربا سے کم نہ تھے، فارسی کے وجہ ترجیح کہہ کر کہتے ہیں کہ اور بہت سے وجہ ہیں لیکن میں اس لئے قلم انداز کرتا ہوں کہ کوئی مذہبی تعصب کے پر وے میں مخالفت پر آمادہ ہو جائے،

امیر خسرو فن شاعری میں، جن خصوصیات کے لحاظ سے ممتاز ہیں، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے،

(۱) ایران میں جس قدر شعر اُگزرے ہیں، خاص خاص اصناف شاعری میں کمال رکھتی تھیں، مثلاً فردوسی و نظامی مثنوی میں، انوری، اور کمال قصائد میں سعدی، اور حافظ غزل میں، ابھی لوگ جب دوسری صنف میں ہاتھ ڈالتے ہیں، تو پھیکے پڑ جاتے ہیں، بخلاف اس کے امیر صاحب قصائد مثنوی، اور غزل تینوں میں ایک درجہ رکھتے ہیں، مثنوی میں نظامی کے بعد آج تک انکا جواب نہیں ہوا، غزل میں وہ سعدی کے دوش بدوش ہیں، قصائد میں انکی چند ان شہرت نہیں ہوئی، لیکن کلام موجود ہے، مقابلہ کر کے کہہ لو، کمال، اور ظہیر سے ایک قدم پیچھے نہیں، تفصیل اس کی آگے آئی ہے،

(۲) ابتدائی شاعری پر یہ عام اعتراض ہو کہ خاص خاص چیزوں پر نظمیں نہیں لکھی گئیں، مثلاً قلم، کاغذ، کشتی، مادرِ با، شمع، صراحی، جام خاص، خاص میوؤں اور پھولوں وغیرہ پر ایسی سلسل اور لمبی نظمیں نہیں ملتیں، جن سے انکی تصویر، آنکھوں میں پھر جائے، امیر صاحب نے ابتدائی شاعری کی اس کمی کو پورا کر دیا ہے، انہوں نے قرآن، مسیحین میں اکثر اسی قسم کی نظمیں لکھی ہیں، اور اس کتاب سے ان کا بڑا مقصد اسی قسم کی شاعری کا نمونہ قائم کرنا تھا چنانچہ خود فرماتے ہیں

بود و راندیشہ من چند گاہ	کز دل و اندر حکمت پناہ
چند صفت گویم و آتش دہم	جمع اوصاف و خطا شش دہم
طرز سخن راز و شش تو دہم	سکہ این ملک بن خسرو دہم
سکہ خود زین فن اندیشہ ز دہم	تا نہ نشا فہم نہ نشیم ز پاستے و
وصف نہ زان گوشت زار دہم	کان و گریہ را بدلید کہ چون

اس قسم کی شاعری کا نام امیر صاحب نے وصف نگاہی رکھا اور یہ نہایت موزون نام ہے
اگرچہ افسوس ہو کہ زمانہ کے مذاق کے لحاظ سے اس میں تعجیر کا پورا رنگ نہیں آیا بلکہ مختلف
اور مضمون آخری کا رنگ چڑا یا ہے تاہم جس قدر یہ غنیمت ہو گا گوئی کی کیفیت

کاغذ شامی نسب و صبح و دم	آنکہ شاد را لبش صبحش و شام
سادہ و سحر و شمع و شمش	باقہ و خورشید و دھند و خوش
تاجی و حریا و اند و نور و	طوف و خیر کہ تو آن جو سحر و کر
آمدہ و چرخ و فرام و آشتی	ایک پر آنکش ہم نہ آشتی
بد کہ شاد و کوشش و لب و لب	پشت و دہاگر و دشت و آب و شربت
گر بود از و سست و شیش گندہ	کہ و دہا و شیش و متقاضی سستہ
گر شد و سوزن و سطر و کثر	گر کشش و شستہ و دقت و کثر
حرف بہ حرف و آنکہ آمد و رفت	ایک یہ پیچیدہ ہم نہ بخوشی

بہت سے شعر لکھے ہیں، ہم نے ظلم انداز کر دیتے،
کشتی کی کیفیت

ساختہ از حکمت کا آگاہان	نمائندہ گروندہ بدگر و جہان
تاوہ حاکم خدایہ سلیم	خانہ روان و خانگیان و مقیم
اہل سفر و اہل مہر و گندہ	ہمراہ اوسان و اود و سفر
جامیہ ہند و بانس سلیم	حالی چندین و کسب و عین و تقیم
بیشتر از ہر رخ و دگر شاد	بیشتر از بار و بار و بار و بار
رقمہ و سطر و بد و بد و بد	بارین و سلسلہ و شستہ و بند
پہلو گنجان و ہوا و سطر و	بد چو و اصل و زود و سو کہ باز
ہر نفس و رہ بہ شتاب و گر	ہر نفس و رہ بہ شتاب و گر

گر چہ بدریا گزرو بیش دکم آب بنات دگر شش تا شکم
دست چو در آب فراز اگلند آب بدست آرد و باز اگلند
لطمہ زدہ بر رخ دریا بہ زود آب آزان لطمہ بہ فریاد و شور
در رہ بے آب نماند شدن کیست کہ بے آب تواند شدن

۱۳) تشبیہ شاعری کے چہرہ کا آغاز ہے، لیکن تقلید پرستی نے یہ حالت پیدا کر دی
تھی کہ جن چیزوں کی جو شبہیں ایک دفعہ قلمار کے قلم سے نکل گئیں ان کے
سو گویا دنیا کی تمام چیزیں بیکار تھیں،
امیر صاحب نے بہت سی نئی شبہیں خود پیدا کیں، چنانچہ عترۃ الکمال میں خود کتنی نئی
تشبیہات نو بسیار استنایں محل جملہ رانگل نتواند کرد اما دوسرے نظیر برائے
باد گردن کر و شدہ،
اس کے بعد دو تین مثالیں لکھی ہیں،
ز انتظار دو ماہی ساق تو صد چشم بریر ہر مودارم چو دام ماہی گیر

شرہ ہائے گردش آوینرت، کشر ہائے دکان قصاباست

سہ خراش آن نازنین پیویاری کبوترے بہ نشاط آمد دست پنداری
امیر صاحب چونکہ ہندی زبان سے آشنا تھے اسلئے تشبیہات میں ان کو برج بھاکا کو
سرمایہ سے بہت مدد ملی ہوگی۔ اخیر شعر غالباً اسی زمین کی خوشہ چینی ہے۔ فارسی
شعر عاشق کی رفتار کو کبک کی رفتار سے تشبیہ دیتے تھے، ہندی میں ہنس
کی چال عام تشبیہ ہے، لیکن کبوتری کی حالت میں جس طرح چلتا ہے وہ مستانہ
خرام کی سبب اچھی تصویر ہے،

قبیلہ ماشنوی، غزل میں انہوں نے جو ہدیتیں پسند کیں، ان کی تفصیل علیحدہ علیحدہ عنوانوں میں آگے آتی ہے،

[شنوی] شنوی میں جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں، نظامی کے پیرو ہیں، نظامی کے پنج گچ میں تین قسم کی شنویاں ہیں، رزمیہ، عشقیہ، مہو فیانہ، امیر صاحب نے بھی مینوں مضامین کو لیا ہے اور ہر رنگ کو نظامی کے انداز میں لکھا ہے۔

ایک ایک شنوی پر ریویو کرنا خاص ان کے سوارخ نگار کا کام ہے۔ البتہ نمایاں شنویوں کا ذکر کرنا ضروری ہے،

قصر ان السعدین، یہ سب سے پہلی شنوی ہے جو ۶۳ برس کی عمر میں لکھی اسلئے اس میں تکلف اور آلودہا بہت ہے لیکن باوجود اسکے اکثر جگہ نہایت بلند روانی اور بہت جستہ ہے۔ شنوی کا قصہ نہایت پیہودہ تھا، یعنی باپ بیٹوں کی مخالفا نہ خط و کتابت درجہ کی تیار تھا، بیٹا یعنی کیفیاد نہایت گستاخ اور بے تمیز تھا، لیکن مشکل یہ تھی کہ وہی صاحب تخت تھا اور اُسی کی فرمائش سے یہ شنوی لکھی گئی۔ بیٹا یہ بھی چاہتا تھا کہ اُسکی گستاخیاں، جھکوہ اپنی دلیری کے کارنامے سمجھتا تھا، مفصل اور آب و رنگ کے ساتھ لکھی جائیں، اور یہ ثابت کیا جائے کہ باپ کے ہوتے، تخت سلطنت کا مستحق بیٹا ہے، اس جھوٹی منطق کو امیر صاحب نے جہان تک ہوسکا، خوب بنا لیا ہے چنانچہ بیٹے کی زبان سے کہتے ہیں:

گر بہ گہر تاجستان توام	عیب کن گوہر کان توام
در ہوس تاج ترادر سراسر	من گہرام تاج مراد خولہ ستار
چون شرم از بخت لطف ز گشت	تاج تو بہر تارک بن با گشت
تخت جہان بہر تو بہر پائے کرو	لیک بران تخت مرا چلے کرو
ملک بہ میراث نیا بد کے ؟	تا نذر در تیغ و دوشختی سے ہے ؟

اس معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ تک کاغذ شام سے آتا تھا، ۱۲۷۹ یو حاشیہ نمبر ۳۹ کا ذکر

از تو اگر تمام پدر روشن است خطبہ چندین کہ بنام من است
 ہر دو جو انیم من و بخت من باد و جوان بچید ہم در من
 گرچہ برویت نہ کشم دستیز از پے تعظیم تو شمشیر سبز
 بیک تو دانی کہ چون آورم شیر فلک را بزین آورم
 جز تو کہے گردم ازین جزوی سر ز لش تیغ من شش سر زوی
 بیک تویی چون بپاین سر بر من نہ ہم گر تو توانی بیک
 باپ نے جو جواب لکھا ہے دیگر کس طرح، حرف حرف، پدرانہ محبت کے نشے سے چور ہے،
 اے نسب گشتہ سرب از پسری بچو پدر پے نظیر
 گرچہ غبار است ز کار تو ام سر نہ چشم است غبار تو ام
 تا تو نہ دانی کہ درین گفتگوئے از پے ملک است مرا گفتگوئے
 گرچہ تو انم ز تو این پایہ برود از تو ستانم کہ خواہم سپرد
 شک کہ شد زنده در ایام تو من ز تو تو نام من از نام تو
 باش بیکم کہ یہ کام تو ام زنده و نازندہ ہم تو ام
 خواہست از جان کہ نیل ہوا در تو نجوای و نحوای ہوا
 جز بہ تمنائے تو سودا ہم نیست بہتر ازین ایسج تمنام نیست
 گرچہ کہ سلطان جہانم بہ ملک تلخ دہ و تخت ستانم بہ ملک
 بیک چو درم ز تو ای نہایت نے خوشم از تلخ و نہ شاد و نہ سخت
 بخت من از پے نہ بزدلک خود باتو چو بیک دم نہ شینم چہ سود

ان کا رازدار، الفاظ نے بیٹھ کے دل پر بھی اثر کیا، اب اس کا لہجہ بدل جاتا ہے۔ اور

نکسہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلے بھی اسی طرح کا غذا بناتے تھے کہ روٹی اور کپڑے کے چٹیش و نکوپانی
 میں جھک کر ان کی طرح سیال بنایا تھے، پھر وہ خشک ہو کر کا غذا ہو جاتا تھا۔ (یہ شاہ صفحہ ۴۳ کی)

فرزندانه جوش محبت میں کہتا ہے ،

من کہ گلے رستہ باغ تو ام ؟

پر تو سے از نور چرخ تو ام

گر ہمدرد ماہ رسد افسردم

ہم بہ تہ پاسے در شد سرم

ز بار و خود کن تو اشارت چہین

من سرخاقان غنم بر زمین

تاج زین ، سمر ز تو افسرختن

عاج ز تو ماتحت زین ساختن

در یہ ملاقات رہی راکست

افسر من خدمتے پائے راکست

نیست مرا آن محل دامن شکوہ

کز سیر نو و سایہ فتنم بہ کوہ

باپ جب بیٹے سے ملے آیا ہے تو بیٹا تخت شاہی پر تنگن بٹھا ، باپ کو دیکھ کر بیٹا تخت

سے اتر اور باپ کی طرف بڑھا ، باپ نے چھاتی سے لگا لیا اور نہایت لون جوش محبت میں

ایک دوسرے سے جدا نہ ہونے لگے ، باپ بیٹے نے باپ کو لپکا کر تخت پر بٹھا دیا ،

گرم فرزند محبت ز تخت بست

کہ دہہ امخوش تن از جنب

داشت بہ امخوش خود تن بہ دیر

سیر نہ شد چون شود از دم سیر

با خود از فرش بہ اورنگ برد

تخت کیان باز کیان را سپرد

گاہ ز دیدہ بہ نثارش گرفت

گاہ دوبارہ بہ کنارش گرفت

گاہ نظر بردن ز بیاضش کرد

گاہ دل از سر شکیباشش کرد

پیش از اندازہ زنگار گشت

جدوازش ز عنایت گزشت

قرآن السعدین کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ نظم اور رطائف نظم کی پابندی کے ساتھ

تاریخی حقیقتیں تمام ٹھونڈ رکھی گئی ہیں ، اس طرح کہ کوئی ترک کہتا تو اس سے بڑھ کر ان

باتوں کو نہ کہتا ،

خمسہ میں پانچ شویان ہیں یعنی مطلع الاوار ، شیعہ ، خسرو ، لیلیٰ ، مجنون ، آئینہ

اسکندر ، ہشتاد و ہشت ،

جس ترتیب سے ہم نے ان کتابوں کے نام لکھے ہیں، یہی اُن کی تصنیف کی ترتیب ہے چنانچہ امیر صاحب نے خود بہشت بہشت میں تصریح کی ہے، ان پانچوں کتابوں کی تصنیف کا زمانہ کل، سوا دو برس ہے، اور یہ قادر الکلامی اور ہر گویا کاسیرت الگید اعجاز ہے۔

اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ نظامی کے جواب میں جس قدر خمسے لکھے گئے ان میں نسبتاً امیر صاحب کا خمسہ سب سے بہتر ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اُن میں بعض، نظامی کی تصنیف سے کچھ نسبت نہیں رکھتیں۔ مطلع انوار میں صاف غامی نظر آتی ہے۔ دور آئینہ سکندری بالکل پھیلی اور مکرور ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خود امیر صاحب کے دل میں بھی بے اطمینانی تھی، آئینہ سکندری میں لکھتے ہیں،

دگر بازیگری تو بیونہ خوش	مرا خود عزت است فرزند خوش
سز و گرچہ آواز خرا خندہ را	بودار غنوں کوکش خربندہ را
برو باد بحث ایش وادگر؟	کہ بر من بخشش گمارد نظر
ہنر جوئے و در عیب جوئی کوکش	ترا نیز عیب است بر خود پہوش
نظمی کے پُر روز زمیہ معر کون کے مقابلہ میں ان کی زور طبع کا یہ نمونہ ہے،	چکر و دن شملہ نلئے زیرِ خوش
ہر دوں شملہ نلئے زیرِ خوش	بہ در ہائے لشکر و افتاد جویش
ہزار و آندہ ہر دو سپاہ؟	روار و در آندہ ہر خورشید و ماہ
ظہم نہ ز عیوق بر ترک شید؟	سنان چشم سیارہ بر سر کشید؟
بیابان ہمہ ایشہ شیر گشت؟	جہانے پر از شیر و غم شیر گشت؟
غبار ز زینہ پرودہ کلمہ بربا بست	نفس را درون گلو راہ بست
چنان گشت روی ہوا گرد خاک	کہ سیارہ گم کرد خود را بہ خاک؟
سپاہ اندر و موج زینہ با درج	چو دریا کہ بادش در آرد بہ موج

بدریا کے آہن جہان گشتہ فرق
 زبا نگ ہیونان لگتی نور د ۹
 ہوا پر لٹخ وزمین پر زورق ۹
 شدہ پُر صد انگبہ لا جو رو
 عرق کردن توستان در شتاب
 زوریائے آتش بر آگینیا آب
 شرارہ کہ زو عمل ہنگام رو ۹
 نفیر زار چاشنی کسان ۹
 گرہ بر گرہ دشت پیکان نثار
 زرہ بر زرہ پشت روین تثار
 بزیر سپر تیغ زخشان زتاب ۹
 چنان کز تہ برگ نیلو فرما آب ۹

اس کی کئی مختلف اسباب ہیں، انشوی امیر صاحب کا اصلی مذاق نہیں، سلطانین کی فرمائش سے وہ شویان لکھتے تھے اور گویا بیگار ٹالتے تھے چنانچہ خمسہ کا خمسہ دوسوا دو برس میں لکھا ہے اور مطلع الانوار تو صرف دو ہفتہ کی کمائی ہے۔

ان کتابوں کی تصنیف کے زمانہ میں دربار کی خدمتوں سے بہت کم فرصت ملتی تھی۔ یہی مجنون کے خاتمہ میں لکھتے ہیں کہ نظامی کو شاعری کے سوا کوئی شغل نہ تھا اور کسی قسم کی بے اطمینانی نہ تھی، امیر ایہ حال ہے کہ پانون کا پسینہ سر پر چڑھتا ہے تب روٹی ملتی ہے۔

مسکین من مستمند بہوش
 از سونٹگی چو دیگ در جوش
 شب تا سحر و صبح تا شام
 در گوشہ غم نیگہ دم آرام
 با شتم زہرائے نفس خود رائے
 پیش چو خودے ستادہ بر پائے
 تا خون نہ رو ز پائے تا سدر
 دستم نشود ز آب کس تر ۹

اس خمسہ میں ایک کتاب ان کے خاص مذاق کی ہے، یعنی یہی مجنون اگرچہ اس کتاب میں بھی انہوں نے خاکساری سے نظامی کے سامنے اپنے آپ کو بیچ کہا ہے۔

می داد چو نظم نامہ را بیسیج باقی نگذشت بہر ما سیج

لیکن انصاف یہ ہے کہ اس کی لیلیٰ مجنون اور نظامی کی لیلیٰ مجنون میں اگر کچھ فرق ہے تو اس قدر نازک ہے کہ خود ہی اسکو سمجھ سکتے ہیں،
اس کتاب میں ہر قسم کی شاعری کے موقع پیدا کئے ہیں، اور ان کا کمال دکھایا ہے
مثلاً ایک موقع پر دھوپ کی شدت اور گرمی کا بیان دکھاتے ہیں،

آتش ز وہ گشتہ کوہ و دامن ہم ؟	آفتاب زہ زمین و آسمان ہم ؟
جاسے نہ کہ دیہہ لایر و خواہیہ ؟	ایسے نہ کہ آتشہ راہد آہیہ ؟
مہر نال چمن خنیدہ و در شاخ	در رستم چرندگان و بد و راح
ریگ از قفسہ پختہ در گرائی	چون تابہ روزیہ ہم نی ؟
ز گرمی ریگ ہائے گردان ؟	پڑ آبلہ پائے رہ فوران ؟

عشق و محبت کے جذبات کے دکھانے کا اس سے بڑھ کر کونسا موقع مل سکتا تھا،
اس لحاظ سے اس شاعری کا ہر شعر گویا ایک پُر درد غزل ہے، سب لیلیٰ کا واقعہ عموماً مشہور
ہے اور شاعر نے اس دلچسپ روایت کو طرح طرح سے رنگا ہے میر صاحب نے اسکو سب سے
زیادہ موثر طریقہ سے ادا کیا ہے مجنون، کتے سے خطاب کرتا ہے،

ہستم من و تو ہر دو شب گرد	لیکن تو بنالہ و من از درد ؟
چون باز گذر کنی دران کوے	بر خاک درش زمین نمی روئے
تیرس کہ بد و گذشتہ گلے	از من بر سائیش سلامے ؟
ہر جگہ نہا پائے روشن ؟	ز نہار ہوسای از لب من ؟
خواہد چو ترا درون دلیہ	یادش دہی از سگ و گر نیز
ز خمیر خوت ہند چو بردوش	از گردن من کن فداوش

اس پیرایہ ادا کو دیکھو کہتے ہیں کہ جب لیلیٰ لکھو ڈیوڑھی کے اندر بلائے تو ایک اور
سگ در کو یا دلا دیا، جب لیلیٰ تیری گردن میں طوق ڈالتا تو دیکھنا میرے کو فک و بھول د

جاننا عاشق کا پیغام و سلام سب کہتے ہیں، لیکن معشوق عاشق کو کیا کہتا ہے اور کیونکر کہتا ہے
ہے تہایت نازک مقام ہے، دیکھو ایسے صاحب اس نازک موقع کو کیونکر نباہتا ہے
ہیں، ایسی مجنوں کو کہتی ہے،

اے عاشق دور ماندہ چوئے	وے شمع نہ نور ماندہ چوئے
روزت دانم کہ شہ نشان است	شہانے سپاہ برجم سان است
ازمن بکے جُری حکا بیت	با خود زکے میرکشی شکا بیت
در گوش کہ بانالہ می رسانی	در پائے کہ ہ قطر وے فشانے
بازار تو در کدام سوی است	سیداب تو در کدام جوی است

معشوق اس قدر ضرور جانتا ہے کہ عاشق روئے دہونے اور دروولی کہنے سے باز نہیں
رہ سکتا اب اسکی بغیرت یہ سوالاں پیدا کرتی ہے کہ کس کے سامنے روتا ہے؟ کس سے
درو دل کہتا ہے کس کے آگے میرا نام لیتا ہے، یہ باتیں تو رازدارانی و معشوق پرستی
کے خلاف ہیں، ان سچے جذبات اور خیالات کو کس خوبی سے اد کیا ہے۔

آئینہ سکندری چسکی ہے لیکن اس کتاب میں بھی ان کے مذاق کا جو میدان آیا ہے
اُس میں وہ نظامی کے دوش بدوش ہیں، نظامی نے سکندر اور بستی پنی کی بزم آرائی
کا قصہ بڑی آب و تاب سے لکھا ہے، خاص اُس موقع پر خوب زور طبع دکھایا ہے، جہاں وہ
دلربا سکندر کی ایک بات پر اپنی ترجیح ثابت کرتی ہے،

امیر صاحب نے بھی یہ معرکہ باندھا ہے، اور اسی طرح بہت چینی کا فخر یہ لکھا ہے نظامی
کے فخر پر سے ملا کر دیکھو معشوق چینی کہتا ہے اور سکندر کے ایک ایک وصف کے مقابلہ
میں اپنی ترجیح ثابت کرتا ہے،

مشعبہ کہ داند چہ سان سوختن	زمن بایزش بازی آموختن
ہمہ خون خوبان کش نے خورم	وے نوش با دم کہ خوش میخورم

نوح ہر صنم ناپید از من است
 سچہر آفتاب زمین خواندم ؟
 سکندر کہ کرد آب حیوان ہوس
 گراوہست کچھسروہام جوئے
 گراو مجلس اکو سہن مے و مدہ ؟
 گراور راست بر تخت پکاشت
 گراو تاج خواہد ز شاہان خراج
 گراو قبل و دولت و رایا و رند
 گراو دشمنان را بہ خون خوردن است
 گراو ایک آئینہ بر کف نشست
 کمان دے از صد شکار افگند
 کندوئے ارصہ بند و دام
 گراو را گلہ ہے است بر آسمان
 صنم خانہ ہار کلید از من است
 و گر ماہ بیسندہ ہمین خواندم
 نظیر نش بود مقصود و بس
 مرا جام گیتی نمانی است روئے
 مرا لالہ گل ، ز تن مے و مدہ ؟
 مرا در دل اوست جاکشت
 من از سروران است تم تاج
 مرا ہر دو چون کسین چاکرند
 مرا خون صد دوستم گر گزین است
 دو آئینہ دارم من از بیت و ست
 یک ابروئے من صد ہزار افگند
 من آنم کہ صبا و گیسوم بدم
 مرا صد کلاہ است بر آستان

ہشت بہشت یہ سچے اخیر ثنوی ہے اور امیر صاحب کی شاعری آہمین چٹنگی
 اور پُر کاری کی اخیر حد تک پہنچ گئی ہے ، خاص جو بات اس میں ہے وہ واقعہ
 نگاری کا کمال ہے ساری کتاب بین فرضی حکایتیں لکھی ہیں ، لیکن التزام کیا ہے
 کہ جو واقعہ لکھا جائے اُسکے نہایت چھوٹے چھوٹے جزئیات جن کے ادا کرنے سے
 زبان قاصر ہوتی جاتی ہے ، ادا کئے جاتے ہیں ۔

تمام کتاب کا یہی انداز ہے ۔ اور اس خصوصیت کے لحاظ سے فارسی زبان کی
 کوئی ثنوی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی ،

مثلاً ایک قصہ لکھا ہے کہ حسن ایک سنار تھا ، اُسکو بادشاہ نے ایک جرم کی بنا پر

یہ سزا دی کہ ایک اونچی لاٹ پر چڑھو اور دیا حسن کی بیوی لاٹ کے پاس گئی حسن نے لاٹ پر سے کہا کہ بازار سے ریشم اور قند لا، جب وہ لائی تو کہا کہ ریشم کے تار کے سر پر قند چپکا کر کسی چوٹی کے منہ میں جو لاٹ پر چڑھ رہی ہو وہ دیدے، اور خود جلد جلد تار کی کوئی کوئی جائے، چوٹی تار کو لئے ہوئے اوپر چڑھتی چلی گئی، حسن کے قریب پہنچی تو حسن نے تار کو لیکر اس سے رتی بٹی، اور پھر ایک خاص تہ میر سے اُسی کے بہار کے نیچے اُترا تمام قصہ بہت لمبا ہے ابتدا کے چند شعر ہم نقل کرتے ہیں،

چون نگہ کرد و خواجہ بہ اتر ہالا	کہ ز تشن در رسید با کالہ
دوش آواز گفت بر سر تار	پایہ قند کن بزودی یار
دہ بہ مورے کمی رود بہر پیل	تا بہا لاش سے رود تعبیل
رشتہ راز و زودی کن باز	کز لیب آورو بہ سوئے قرار
اچنان کرد زن کہ افسرود	داد رشتہ پر سور دمور و رورود
راند ہالائے سبیل تار کشان	رین فتنہ بر حصار کشان
چون بہ نزدیک خنہ رفت بہ زور	ریمان را بود و خواجہ زور

قصائد قصیدہ میں انکا کوئی خاص انداز نہیں ہے، کمال اسمعیل، خاقانی، اور انوری کی تقلید کرتے ہیں اور جیسے جواب میں قصیدہ کہتے ہیں، اس کا متبع کرتے ہیں، خاقانی کا مشہور قصیدہ ہے

مجلس و آتش دادہ، بلین ارشجر دان الزحمر
ابن کرد منقل رامقروان جام را چو آتش

اسکے جواب میں بہت بڑا قصیدہ لکھا ہے، وہی انداز، وہی ترکیبیں، وہی استعارے ہیں، اور چونکہ خاقانی کا مقابلہ ہے، اس لئے یہ شعر کہہ کر دیکھا گیا ہے، اس میں بھی واقعہ نگاری کا خاص انداز قائم ہے، عید کا بیان کیا ہے اور عید کا پورا سا ذکر کیا ہے۔

ہر سو جوانان نوسلب ہا ہر سو وساد قصب
از شیر و خرم ہر دوزن اور شیر خواری تن تن
خورشید چون سر بر زوہ ہر کون را چو در شاہ
فاسق کہ می ناخو رزہ کہ اور عید گہ پودہ رہ
داروی معلول است فی بل جان محلول است
خفطان نہ خفتہ از طرب پدیدہ بفردا داشته
چون شیر خوازان در دین اپستان خرم داشته
ابن رویہ سوی می کدہ ما او در صلا داشته
سر بر لباط سجدہ کہ دل سوی صہبا داشته
خورشید متحول است می در طاس بینا داشته
انک قصائد میں مدحیہ مضامین ہمیشہ بد مزہ اور پھیکے ہوتے ہیں جس کی وجہ یہ
ہے کہ مدح دل سے ان کو پسند نہیں صرف معاش کی ضرورت سے یہ دولت گوارا کرتے
ہیں اس لئے قصیدہ میں اور اور مضامین کو لیتے ہیں اور ان میں زور طبع دکھاتے ہیں
مثلاً بہار کا سماں برسات کی رت صبح و شام کی کیفیت ایک قصیدہ میں برسات
کے آغاز سے تمہید شروع کی ہے اور صرف مطلع میں سب کچھ کہہ دیا ہے۔
ابرو بارید ہمہ روی زمین ہلتر کرو خبر آری کہ بفرہ چہ قدر سر پر کرد

سپیدہ دم کہ صبا گشت بوستان فرمود
چو روی نازک گل تابا قناب نہ داشت
زالامہ خواست چمن ساغر و سبک بخشید
ہر انچہ در ورق خویش غنچہ مشکلی داشت
لباط خاک زویا و پریشان فرمود
زمانہ بر سرش از ابر سایہ بان فرمود
زادہ خواست زمین شربت در دان فرمود
بنفشہ گوش نہاد و صبا بیان فرمود

صبح کا سماں

سپیدہ دم کہ فلک روشنی بہ گہمان داد
چو چرخ سپیدہ رخ زو سپیدی و سرخی
درست مغربی آفتاب را کہ فلک
ستارہ راز چہ شد ویدہ خیرہ از خورشید
نسیم غالبہ در وامن گلستان داد
بدستش آئینہ داد آفتاب خندان داد
بہا و زہر زمین با داد و تابان داد
چو شب زحیفہ نیاش سر سبز چندان داد

غلام بادشاہم کہ باداود پگاہ ؟ صدای عیش بہ عشرت سرگستان داد

بارغ

نوبہار است چمن جلوہ چو حور کردہ
ابر یاخستی لولو لالا کردہ ؟
نگرہ طرہ سنیل کہ صبا باز شدہ
دامن لالہ ہراز عنبر سا کردہ
بر گل ولالہ میرود آنکہ قسری
پائے آلودہ بہ خون پانچہ بالا کردہ
عاشقان رفتہ بہ گلزار دل نشین
بہ تکلف ز گل ولالہ شکبہا کردہ

نوبہار اس سال مارا روزہ فرماید ہے
گل چنان تر دامن ارمی لب نیلا دید ہے
برد بان غنچہ گہ گہ زہد بوسہ نسیم
کان شکر لب چہ بہ بوسہ ورہ نکشاید ہے
باد و رکھساں جام لالہ را بر سنگ زد
گل بہ خندہ گفت ، آری این چنین دید ہے
نرگس رعنا قدیم دوست چشم اندر ہوا
گوئیامیخوارہ ماہ عید را یاد ہے
نہیں رعنا قدیم دوست چشم اندر ہوا
گوئیامیخوارہ ماہ عید کو ڈھونڈتا ہے

برسات

ہوای خرم است و ہر طرف بالان ہی بارو
نگویم قطرہ کز بالائے گل ریحان ہے بارو
نگون سرشاخہائے بنر کوئی دیکھی چہید
ز بس کا ئیروز افشان لوی غلطان ہی رز
بغی شاخیں جو جھکی ہوتی ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بادل نے جو زمین پر موٹی
برساتے ہیں یہ اُنکے رونے کو جھکی ہیں ،
چکان قطرہ نہ سرہائے انا ز تو پنداری
کہ ہر دانہ کہ بودہ است اندر وہ پنداری
خوش آن دقت کہ مطرب کی ہر گونہ خوش
خندان در میان سیرہ دباران سے بارو

بعض قصائد سر تا پا موعظت و اخلاق ہیں مین مان بین بھر الابرار جو بڑا
سیر حاصل قصیدہ ہے مشہور ہے التزام کیا ہے کہ ہر شخص مین دعویٰ اور گس

کے ساتھ دلیل ہو

کو س شہ خالی دہانگ غلغلش درد سہرت
ہر کہ قانع شدہ نیشک ترشہ بھر و برست
عاشقی رنج است مودان را بسیدہ راحت
سلسلہ بند است فشیان را یہ گردن زیور است
یعنی عاشقی میں گو تکلیف ہے۔ لیکن مودان کو وہی آرام دہ ہے جس طرح خیر
زنجیر میں بند ہا ہوتا ہے اور یہی زنجیر اس کا زیور ہے۔

مرد نہاد و رنگیے بادشاہ عالم است
تیغ خنجر در پہلے پاسبان کشور است
راہ و خون در ریا کو شد مرد شہوت است
بیوہ زن چون کُنج بیارید بہ بند شہوت است
نفس خاک نست ہر کہ نو بالا بر تواف
سایہ نہیر باشد ہر کہ بر تار کُنج راست
کار این جا کن کہ تشویش است در عشرت
آب زین ہا بر کہ درو پیلے شور و سہرت
با کس کس ہر کہ حرص مال و دود و نچی است
عود و سرگین ہر چہ در آتش فتنا کس است
اسے برادر مادر دہار نور و خون مرغ
چون تر خون برادر نہ ز شیر مادر است
دہر خاکے را نمونہ سے کند کین مردم است
بحر آسے را غلو سے کند کین گوہر است

اہل سخن کے نزدیک قصیدہ میں شاعر کی جدت طبع کا اندازہ مخلص یعنی گریہ سے تمنا
ہے۔ اس معیار کے لحاظ سے امیر خسرو اپنے تمام ہمعصرین سے ممتاز نظر آتے ہیں
ان کے مخالف کی چند مثالیں ذیل میں ہیں۔

برسات کے ذکر کے بعد

برآمدہ بر بخشش و گزراں پایہ و غلط
نیک و نیچ کس دستش مگر شاہچہان گیر
بہار کی تمہید کے بعد

گل ارکم عمر شد گوہاش وانی
کہ در خور کیست عمر جاودان را
ہنال بلغ شاہی رکن حق آنکہ
زیرم اوست روقی بوستان را
کشاوہ چہرہ کہ ماہہ شہم بر کوثرین
در ملک بودم کہ آسمان این است

طلوع صبح کا بیان کر کے

صبح را گفتم کہ خورشیدت کہا است آسمان رونے ملک چھو نمود ؟

نہ در روی آن نازکے گرینچ آئیے مگر در سایہ ریات شاہ کا نگار آید

طلوع آفتاب کے بیان کے بعد

خورشید چہا نگیر پندار کہ در بزم شمشیر کشیدہ ملک الشرق برآمد
قصائد میں امیر صاحب نے جس قدر جدید مضامین لطیف استعارات نئی نئی شہین
گو ناگون اسلوب پیدا کئے اسکا احاطہ نہیں ہو سکتا ہم اس موقع پر صرف ہمارے تہہ
کے چند شعر اس لحاظ سے نقل کرتے ہیں کہ ہمارے شعر کا پامال میدان ہو لیکن امیر صاحب
اس میں بھی سب سے الگ ہیں ،

بوستان بشارت دروی لالہ خندان گشت باز
بر رخ گل طرہ سبیل پریشان گشت باز
سبزہ خطے چند بہر خواندن بسیل نوشت
بسیل آنگہ از خطہ خوان غزل خان گشت باز
خون لالہ گویان خواہ چکیدار تیغ کوہ
یا چکیدار خون کہ کوہ آلودہ دانا گشت باز

غزل

اد پر تیرہ آئے ہو کہ غزل قدام کے زمانہ تک کوئی مستقل چیز نہ تھی ، سعدی
نے غزل کو غزل بنا دیا ، امیر صاحب کی غزل گوئی پر تقریباً کہنی ہو تو صرف یہ
کہنا کافی ہے کہ وہی سخنانہ سعدی کی شراب ہے جو دوبارہ کھنچ کر تیز ہو گئی ہے ۔

غزل کی جان کیا ہے ؟ درد ، سوز و گداز ، جذبات ، معاملات ، عشق ، محرومیت ، نیاز
ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ یہ جذبات اور معاملات جس زبان میں ادا کئے جائیں ، وہی زبان
اس میں عاشق ، معشوق سے راز و نیاز کی باتیں کرتا ہے ، یعنی سادہ ہو مگر

تکلف ہو، مازم ہو، لطیف ہو، نیاز آمیز ہو، اس کے لئے یہ بھی ضرور ہے کہ چھوٹی
چھوٹی، بحریں ہوں، چلوں کی ترکیبوں میں نام کو بھی اچھا و نہ ہو، قریب الفہم خیالات
ہوں، اس حد تک ایسے صاحب، شیخ سعدی کے دوش بدوش ہیں، لیکن وہ اس
سے بھی آگے بڑھتے ہیں، انہوں نے غزل کی اصابت کے علاوہ کہاں شاعری،
کی بہت سی چیزیں اضافہ کیں، اور ایجادات اور اختراعات کے چمن بہار دئے یہ سب
اجمال تھا، تفصیل ذیل میں ہے:

محررین کی موزونی وہ اکثر شگفتہ اور چھوٹی چھوٹی بحریں اختیار کرتے ہیں جن میں خواہ
مخواہ بات کو صفائی، سادگی، اور اختصار سے ادا کرنا پڑتا ہے، مثلاً

سرسے دارم کہ سامان نیست اورا	بہ دل دروے اکبر و ان نیست اورا
فرش کر و عمرم روز راز آنکہ؟	شیے دارم کہ پایاں نیست اورا
بہ راہ انتظام هست چشے ؟	کہ خوابے ہم پریشان نیست اورا

یازن دل ز دوستان برداشت	مہر و میرہ از میان برداشت
درد دل اوہ کہ دکارا چہ ؟	سنگ از نالہ ام فغان برداشت
دی بہ تنہی بلند کروا بروہ ؟	از پئے کشتنم کجاں برداشت

آن دوست کہ بود بر کران شد	وان صبر کہ داشتم بہان شد
گفتم کہ اسیر گوی سے دل ؟	دیدہ کہ بہ عاقبت بہان شد
دلہ بروگر سے ہم و سب کن ؟	عاشق بہستم نمی توان شد

جو ؟

عاشقے را چو نامہ باز کند سیر نام من بیدارش طراز کند

گر شاوین عاشقان دارید ؟ بعد ازین پیش بُت نیاز کشید
گاہ مرون شنیدہ ام محمود گفت برویم سوئے نیاز کشید

داد من آن بُت طرز نہ داد پاسخی نیر دل نواز نہ داد ؟
خواب مارا بہ بست و باز نہ کرد دل مارا بہ برو و باز نہ داد ؟
تو چہ دانی نیاز مندی چیست چون خدایت بہ کس نیاز نہ داد

سوز و گداز [سوز و گداز کے خیالات جب وہ ادا کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ
اُس کے دھوان اُٹھ رہا ہے، اس میں بھی معشوق سے اپنا حال کہہ رہے ہیں۔ کبھی
اپنی تصویر کھینچتے ہیں کبھی خود اپنے آپ پران کو رحم آتا ہے،
ماجرائے دوست پر سیدی کہ چوبلیز نہت اسی سرت گردم چہ می پرسی بشواری گذشت
اکثر ایسا ہوتا ہے کہ عاشق، معشوق سے اپنی سرگذشت جب بیان کرتا ہو
تو غصہ ٹاسا کہہ کر اس کو رونا آتا ہے، ٹھہرتا ہے، رو لیتا ہے، پھر آگے بڑھتا ہو
اُس کی تصویر کھینچتے ہیں،
خسرو است شیا فسانہ دیار ہر بار قدر سے گریہ و پس بر سر افسانہ رود

راؤش خسرو بہ زیر سر نیافت ؟ سر نہادہ بر سر زانو نجفت ؟

اے آشنا کہ گریہ کنان جگہ وہی آپ از بردن ہر یکہ کش بہ جان گرفت
کبھی کبھی عاشق کا دل کہتا ہے کہ صبر سے کام لینا چاہیے پھر دل پر غصہ آتا
ہے اور کہتا ہے کہ کمخت جو بات ہو نہیں سکتی۔ اُس کے کہنے سے کہا فائدہ،
اس معاملہ کو باندھتے ہیں،

لُٹھامی کشد اے دل سخن صبر گوئے وہ چرا گوئی ازان کار کہ توانی کرو ؟
 حسد جی بُردی آتشین اب عقل و دانش سر بیایا تا بر مراد خاطر خود بینی اکنوش ؟
 رنج اور غم کی اس سے بڑھ کر عبرت انگیز تصویر نہیں کھینچی جاسکتی ، عاشق رحس
 کا فضل و کمال اور عقل اور سمجھ عموماً مسلم ہے ، عاشق ہو کر تمام اوصاف کو کہو چکا ہے
 وہ اپنی حالت پر نظر ڈالتا ہے تو خیال آتا ہے کہ دشمنوں کی اُمید برائی ، اسکو کس
 موثر طریقہ سے ادا کیا ہے ،

جان زتن بُردی دور جانی ہنوز دروہا وادی دور مانی ہنوز ؟

گفتی اندر خواب کہ گہ روی بخوابت این سخن بہکانہ را گو کاشار خوابت

غمرہ تو بے دل سلطان زند ؟ ورنہ رہنے بے دل درویش ہم
 یعنی تیر غمرہ بادشاہوں کے دل پر حملہ کرتا ہے ، اور بُرانہ مان تو فقیروں پر بھی دہنہ
 رنجی سے کس قدر عاشقانہ خصوصاً ظاہر ہوتا ہے ،
 گشتم از تیغ جفاش خویش را بر تو آسان کردم ، و بز خویش ہم

اس کجا خیم کہ از سپاؤں شب نمی خپد کے در کوئی تو

صبر طلبی کہہ از دل عاشق ابھو خراچہ کہ بر خراب نو سید
 یعنی مستحق ، عاشق کے دل سے صبر چاہتے ہیں ، یہ ایسی بات ہے ، کہ بے خبر زمین
 پر چھوٹ نکلیا جاسے

ای دیدہ و بریزی از بدن آب کین شعلہ بہ جہان گرفتہ بار ؟

ای خواب! برد کہ باز اسشب؟ سودای فسلان گرفت مارا؟

ای عشق! کار تو بہ چو من ناکسے فقاد گو پاکسے فاند جہان خسراب

دل ندارم غم جانان بچہ بتوا غم خورو پیش ازین گرسے غمے بود و ہم بودہ است
کس چہ داند کہ چہ رفت از غم تو دشمن من از شب تیرہ ما خبر پس کہ محرم بودہ است

بیابرد وستان جانان فضاکن ہر آن تیرے کہ بردشمن خطا شد

دل باز سوی آن بت باز چہ میرود آن خو گرفتہ باز دوران کو چہ میرود
جان میرود زن چہ گرہ می زند کلاف مرودن مرا است از گرہ او چہ میرود

گرہ بستی دل ویران مرا؟ گویا ایچ کہ آباد نہ بود؟

کافرے رخت وطم غارت کرد شہر اسلام و مرا داد نہ بود؟

کرشمہ چند کنی بر من آخرا یں جان است نمی و مد ز زمین و صیاسے آرد؟

ہیں مضمون پر تین سو برس کے بعد اپنی نے یوں درست درازی کی،
کرشمہ چند کنی یا من آخرا یں جان است نمی و مد نہ زمین اسسہ جان شو و ارد

ہر ہم بے سید و جانم تو بیا کہ زندہ نام؟ پس انا کہ سن نام کہ چہ کا شو و اتی آ

احد اسلوب اغزل کی ترقی کا نور و ناطق اور ہوتا اسلوب اسلوب کی ترقی کا نور و ناطق

شیخ سعدی ہیں لیکن پیروہ نقش اول تھا۔ امیر صاحب کی بولہوں طبیعت نے جدت اسلوب کے سنیکڑوں نے نئے پیرائے پیدا کر دیئے، جو اگلوں کے خواب و خیال میں بھی نہ آئے تھے مثلاً یہ مضمون کہ معشوق ظلم و ستم کرنے کے ساتھ بھی محبوب ہے، یوں ادا کرتے ہیں۔

جان زن بردی و درجانی ہنوز درد بادادی و درمائی ہنوز
یا مثلاً معشوق کی گران قدری کو اس پیرائے میں ادا کرتے ہیں
ہر و عالم قیمت خود گفتم نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز ؟
معشوق کی آنکھ کو سب غمخوار دے آلود باندہ تھے اسی مضمون کو دیکھو،
امیر صاحب کس انداز سے کہا ہے۔

مے حاجت نیست مستیم را ؟ در چشم تو تا خار باشد ؟
معشوق کا عاشقوں کے رخ و غم سے بے خبر ہونا، عام مضمون ہے اس کو کس
لطف سے ادا کیا ہے،

گل چہ داند کہ درویش چیست او چہن کار رنگ و بود اند ؟
معشوق معشوقانہ ادائوں کو چھوڑنا چاہتا ہے اس کو یوں باز رکھتے ہیں،
ہنوز ایمان دول بسیار غارت کردی دوا مسلمانی مہاسوزان در چشم تا سلمان را
رخصت کے وقت معشوق کو ٹھرتے ہیں کہ میرے آنسو تم جاؤ تو جانا،
می روی و گریہ می آید مرا ؟ ساعتی بنشیں کہ باران بگذرد
لطف اور قہر کی نگاہ کی تاثیر کا فرق،
گفتم چو زخمی گشتی و زخمی گشتی از یکس نگاہ کشت و نگاہ بگرد کرد
سعدی کا شعر ہے،

دوستان مستی گفتم کہ چہ اول تہ و دادم بایدا ول بہ تو نقش کہ چنین خوب چہرائی

یہ مضمون اگرچہ پھیل ہونے کی حیثیت سے اس قدر اعلیٰ درجہ کا تھا کہ اس پر
ترقی نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن امیر صاحب نے ایک اور جدید اسلوب پیدا کیا،
جراحت جگر خستگان چمے پُرسسی؟ زعفران پُرس کہ این شوقی از کجا آموخت
غائبے اسی خیال کو اور زیادہ بدیع اور شوخ کر دیا ہے،
نظر کہین نہ لگے اُن کے دست و ہار کو یہ لوگ کیوں جگر زخم جگر کو دیکھتے ہیں
معتوق کی آمد کی دلفریبی کو اس طریقہ سے ادا کرتے ہیں،
بُتے دَافَت تقویٰ و آخر این نیرانی کہ در شہر مسلمانان بنیادین چنین آمد
اس مضمون کے ادا کرنے کا معمولی پیرایہ یہ تھا کہ معتوق کے آنے سے لوگوں کے
زہد و تقویٰ میں فرق آتا ہے، بجائے اسکے خود معتوق سے خطاب کرتے ہیں اور کہتے
ہیں کہ مسلمانوں کے شہر میں یوں نہیں آیا کرتے، گو یا معتوق کا فتنہ انگیز ہونا اس
قدر حسد بڑھ گیا ہے کہ اپنی حالت کا خیال نہیں۔ بلکہ یہ فکر ہے کہ اسلام کی
حالت خراب نہ ہو جائے،

معتوق کی زیادتی لطف کو اس انداز سے بیان کرتے ہیں،
جان ز نظارہ خراب نماز اور اندازہ پیش ماہر بوی مست فستی پُرودہ پیمانہ را؟
دشمنی زدی نے اسی خیال سے ایک اور لطیف خیال پیدا کیا۔
شراب لطف پرور جام میریز می ترسم کہ زود آخر شود این بادہ و من ز غمار اقم
اکثر جگہ صرف لفظوں کی اُلٹ پلٹ سے عجیب لطیف بات پیدا کر دیتے ہیں،
چشم بدور از چہ سان روئے کہ ازو چشم دور نتوان کرو؟

مردمان در من مہوشی من جیر اندر من در آن کس کہ ترا بند و جیرانی شود

گفتیم ناخوش چرائی خسرو! چون گم؟ آن قدو آن بالا خوش است

گفتم که همین ترا غلامم؟ گر هست گناه من همین است

و همت ذره کم اندوخته است میخ ز خورشید ذره کم نیست

ایام - یعنی ذو معین الفاظ سے عجیب عجیب نکتے پیدا کرتے ہیں۔
زبان شوخ من ترکی و من ترکی نمیدانم چه خوش بودی اگر بودی زبان من و زبان من

پیش ازین بر خودم قیسی بودی که دلم ایسج دستاں برد
تو ببردوی همه یقین مرا؟ ق بر طریقے کہ کس گمان نہ برد

دی روی تو دیدم و نہ مروت شرمندہ باندہ ام درویت

دیگر سر آن نیست کہ من نہ فروشم ساقی قدحے بادہ کہ بر رنج تو نوشم
اکثر جگہ جملہ معترضہ یا شرطیہ جملہ سے عجیب عجیب لطیفے پیدا کرتے ہیں۔ اور یہ کن کا خاص مذاق ہے،

بروئے بادایو سے زن بر آن پائے و گر چیز سے نگوید برد بان ہم؟

غمرہ تو بر صنف سلطان زند و نہ سبچہ بردل درویش ہم
شویم آید کہ بر پیش تو نام دیگران و گر انصاف تو پیش تو ہم توان گفت

کشم از تیغ جنایت خویش را ، بر تو آسان کردم و بر خویش ہم

غمی دارم کہ یاد از دوستان دور
بجی دوستی کرد دشمنان ہم ؟
دلقه گوی اور معالہ بندی [مولوی غلام علی آزاد خزانہ عامرہ بین بکتے ہیں۔
مخفی نماند کہ ہنگامہ آرائے سخن طرازی شیخ سعدی شیرازی کہ مروج طرز غزل
است خال خال وقوع گوی ہم دار و مش این بیت ،
دل و جانم بنوشغوان نظر و چپ راست تاندا ندر قیسمان کہ تو منظور منی ؟
امانا سخ نقوش ماوی امیر خسرو دہلوی کہ معاصر شیخ سعدی است
بانی وقوع گوی گردید و اساس آن را بلند ساخت ،

عشق و ہوس بازی میں جو حالات پیش آتے ہیں ، اُنکے ادا کرنے کو وقوع گوی کہتے
ہیں اہل لکھنؤ نے اس کا نام معالہ بندی رکھا ہے ، بہر حال اس طرز کے موجد جیسا کہ
آزاد نے لکھا ہے امیر خسرو ہیں ۔

شرف قزوینی ، ولی دشت بیاضی ، اور وحشی بزی نے اسکو ترقی کی حد تک
پہونچا دیا ۔ آزاد نے وقوع گوی کی مثال میں امیر خسرو کے یہ اشعار پیش
کئے ہیں ،

خوش آن زمان کہ بر رویش نظر نہفتہ کنم
چو سوی من نگر دوا ، نظر بگردانم
غلام آن نفسم کا دم چو خستہ او ؟
پہ چشم گفت کہ از در کشیدہ بیرون نشستم
چو کہ رقم بردوش بسیار و بان این مسکین
گفتا راست شایا کہ میں طرف بسیار آید
امیر صاحب کے کلام کی زیادہ تفصیل معلوم ہو تا ہے کہ انہوں نے یہ قصہ ہم کہ
انارکٹ لطیف اور شوخی امیر مسالوات اور اس کے ہیں ،

چند گوہر کہ کہ بہ دوش می گندی
ایک چشمہ است کہ بہر دل تاثیر کرد

یعنی لوگ کہتے ہیں کہ خسرو ہم کو وہ کبھی کبھی یاد کرتا ہے۔ لیکن یہ بات تو لوگ سنی دینے کے لئے بھی کہہ دیا کرتے ہیں اسلئے اعتبار کیونکر آئے،

جانا! اگر شبیت دہن بردہن ہم
خود را بخوابا زوگو کین دہان کیست؟
مستوق سے کہتے ہیں کہ اگر میں کسی رات کو تیرے موہنے پر موہتہ رکھ دوں تو پھر
آپ کو سوتا پناہیتا، یہ نہ کہنا کہ اب سے یہ کس کا موہنا ہے؟

دل من مست ہو وقتہ دوست
گئے زانجام وگہ زانجامے گفت
انک اندک گئے یا یار یوں خوش بود
ویر سگر دوم بسیار یوں ہم خوش است
تو شبینے مائی بہر کہ بودی؟ مشب
کہ ہنوز چشم صحت اثر خسار دارد؟
کیست این؟ گفتہ میکنے گدائی نے کند
گویم کہ یکے دیگر گوی تو کہ نتوانم؟
جان ما فدا آن دم کز بعد و سو سو
غرض آنست کہ بارے پر تقاضا ہاشم
دعدہ می خواہم دور بند و فانی نیم

روزمرہ اور عام بول چال

ہیں اسی کا نتیجہ ہے کہ ایک جدا گانہ زبان پیدا ہو گئی ہے، جس کا نام علمی زبان ہے۔
سعدی و نظامی وغیرہ کی بولنے کی زبان اگر قلمبند کی جاتی تو بوستان، اور سکندر
نامہ کی زبان سے صاف الگ نظر آتی، بلکہ آج اگر اس عہد کی بول چال کی کوئی کتاب
ہاتھ آجائے، تو ہلکے سمجھنے میں دقت ہوگی، لیکن یہ شاعری کا بہت بڑا نقص ہے کہ اب
شبہ شاعری اور عام تصنیف میں ایسے بہت سے مضامین اور خیالات ادا کرنے پڑتے
ہیں جو عام زبان میں ادا نہیں ہو سکتے، اسلئے اُنکے لئے علمی الفاظ وضع کیے کی ضرورت
پیش آتی ہے۔ بیک وقت ضرورت نہیں کہ ضرورت کے علاوہ اور دوسرے قیود پر بھی یہ مصنوعی زبان
استعمال کی جائے خصوصاً غزل کی زبان روزمرہ اور عام بول چال ہونی چاہیے، کیونکہ عاشق و
مستوق علمی زبان میں باتیں نہیں کرتے

قدما رہیں فرخی اور متوسطین میں سعدی اور امیر خسرو صاحب خاص اسکا خیال رکھا کہ روزمرہ اور عام بول چال کو زیادہ وسعت و بچائے، سعدی اور خسرو کے کلام میں جو روانی شستگی اور صفائی پائی جاتی ہے اسکا ایک بڑا گہرہ یہی ہے

امیر صاحب کی غزلیں اکثر اس زبان میں ہوتی ہیں کہ گویا دو آدمی آپس میں بیٹھ کر بالکل بے تکلف سیدھی سادی باتیں کر رہے ہیں، ان میں کہیں کہیں خاص خاص محاورے بھی آجاتے ہیں جو آج بھوکا اس لئے کیسے زندگانوں میں عام ہوتے ہیں کہ ہم کو اس زمانے کے روزمرہ کے محاورے اور کوئی باریک

دل پسند ہر وہ، نگاہ بناس، آن کہ خجروح ترازان من است

یعنی تم نے بہت دل سے بہن یا خوب غور کر کے دیکھو جو بہت زخمی ہوا، وہی میرا دل ہے، صبح روتے تو بدینیاں کیر آمد امروز نیست امکان کہ چمن سوخته تا شام کشد

لب دیوان درخت ہر یکے بلانے دل نہ بکے دلم چہ کند، جانب کدام شود؟

یعنی تیرا لب دہن، اور چہرہ اسب بلاہین، امیرا دل کیا کرے کہ ہر کہہ جائے،

گفتم اے دل مرو آنجا کہ گرفتار شوی عاقبت رفت جان گفتن من پیش آمد

خلفے براہ منظر خان سپردن اند ای ترک نیم سست خان کشیدند تر

بوسہ گفت و زبان گرداند - خود ہے گوید وے گرداند؟

بوسہ دینے کو کہا، اور پلٹ گیا آپ ہی کہتا ہے اور آپ ہی پلٹ جاتا ہے،

بوتے خوشم آید از تو در جیب گل داری، یا ہمین است بویت

تیرے بدن سے خوشبو آ رہی ہے تیری جیب میں پھول ہی یا تیری بو؟

شک ساہی است و رہن ہمدرد و غارای شک زان حوالی کہ تومی آئی باران چون است

اے گل! وہاں تنگت و دردنگ کے چیزی کے گل ہاتھی ماندہ در حسن لکھ چہ ہے؟

گویم غم دور دم بین گوئی کہ تیرے خواہم بسم اللہ اگر خواہی نہ رہو و تیرے خواہم

و سبہ خوش راخو تو خواند جایان باشد کہ گل از بندہ برخاک و فقیر غم گیرد

۱۱۰ - ۱۱۱ - ۱۱۲ - یعنی وہی میرا کھانا ہے۔

یعنی سبزہ جب تیرے غم کی برابری کرے تو یہ زیبا ہے کہ پھول سنتے سنتے
زمین پر لوٹ جائے اور غنچہ کے پیٹ میں بل پڑ جائیں ،
دل میں خواہی برہم عفا کا اور دنیا ویدی ملامی خواہی رسوا لحد اند کہ آن ہم شد

اے عبادی کہ فلاں نے یہ چین سے می خورو
یا سچ یا دمن گم گشتہ زندانی کرو ،

اگرچہ آندی اسے باد کہ دیوانہ شدم
بوی گل نیست کہ می آید میں بوی گسی است

دل میں دور نہ رفتی است نکورے دائم
باز جو بید ہیں جائے کہ در کوئی گسی است

مشتبہ می شودم قبلہ ز رویت چہ کنم ؟
تیرا چہرہ دیکھ کر جلو قبلہ میں ہو کا سا ہوتا
نہ چلے رائے دو و مرا گفت تو صبرین
سب کو مونسہ دیکھ لیا یاد تیرے کچھ لکھ دیکھ
ساکنان ہمسر کوئے تو پنا شد بہ ہوش
ز چشمت کاروان صبر من تاراج کا فر شد
بہ بازی سورے من آمد ہوشی و دل میں نیست
خسام محاورہ بیکاری آید ہے کارے آید ، امیر صاحب کے سوا اور کسی کے
کلام میں نظر سے نہیں گزرا ،

حسن تو عالمے بخواب سوخت
ہم در آغا ز می تو ان دانست

منج کردی بر بوسہ جانی؟
 تو نے ایک بوسہ کی قیمت جان فراموشی
 از بہر آن کہ لاف جمال تو میزند
 ما جان فدائی بخش تسلیم کردہ ایم
 ساقی بیار می کہ چنان خوش و دل خوش
 راست کردی ز ابرو اوں محراب
 ابرو توں سے تو نے محراب درست کی ہر
 من آن ترک طنا ز رانی شناسم
 شہم تازہ شد جان بد و شناسم
 باوصبا چو از رخ اوزلف در بود
 تو حال من ہم ازین روی زبیر و بر
 سالہا شد کہ نیا ہم خبر و در کویت
 من از سر زندہ کردم اگر تو یا لایکین فی

بندہ مخمورید در این گان دانست
 میں نے خرید اور یہ سمجھا کہ مسقت نیا
 صد بار لالہ بردہاں یا سہیں دہ است
 خواہی بہ بخش خواہ بخش زئی زئی
 کز سوز این کباب ہمہ خانہ بو گرفت
 می نمایند ساز خواہی کرد؟
 معلوم ہوتا ہے کہ غلطی ہے کا ارادہ ہے
 من آن مایہ ناز رانی شناسم
 تو بودی من آواز رانی شناسم
 ایک شیلہ دہ شدہ و آفتاب کرد
 کہ سن بہ روئے تو پیدا می تو اقم کرد
 دل دیدان شدہ و ایم و آواز کہم
 تو می دانم کوئی، ایک من گفتاری گویم

دعویٰ خون بہائی دل فطرت نے کہم
 ایک بوسہ پر ہم زدن دھالا کلام کن

امیر صاحب نے ایسے بھی بہتے محاورے باندھے ہیں جو ان کے سوا کسی اور اہل زبان
 کے کلام میں نہیں ملتے۔ مثلاً

از گمہ او چہ سیر دو

آواز گردن، پکارنا،

گفتار سیکویم، یوں ہی ایک بات کہتا ہوں،

الاکلام گردن، کسی کو ساکت اور بند کرنا،

پیدا کر دین ظاہر کرنا۔

اس بات نے بدگمانوں کو موقع دیا ہے کہ یہ ہندوستان کی سکونت کا اثر ہے کہ ہندی محاورے اُن کی زبان سے نکل جاتے ہیں، ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ لیکن چونکہ ہم کو اپنے نتیجے اور استقرار پر اعتماد نہیں، اس لئے ہم اس بدگمانی میں شریک نہیں ہو سکتے۔

سلسلہ مضامین غزل کا یہ بڑا عجیب تھا کہ کسی مسلسل خیال کو ادا نہیں کرتے تھے، قصائد کا موضوع مدح ہے، مثنویاں، قصے یا اخلاق کے بڑے مخصوص ہیں، قطعات میں بھی اور اور باتیں ہوتی ہیں، عشق اور محبت کے معاملات میں تفصیلی حالات بیان کرنے ہوں تو کیونکر کریں، اس لئے صرف سلسلہ غزل کام دے سکتی ہے۔ لیکن قدماں بلکہ متاخرین میں بھی اس کا بہت کم رواج ہوا، امیر صاحب کے البتہ اکثر مسلسل غزلیں لکھی ہیں، اور خاص خاص کیفیتوں کا نقشہ اس خوبی سے کھینچا ہے کہ اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

مثلاً عاشق، قاصد یا اپنے رازوار سے مشوق کا حال پوچھتا ہے کہ کہاں ہے؟ اور کن لوگوں کے ساتھ ہے؟ کیا کرتا ہے؟ میرا بھی کچھ ذکر کرتا ہے کہ نہیں وغیرہ وغیرہ، دیکھو کس اشتیاق، کس حسرت، کس اندازت یہ باتیں پوچھتے ہیں،

ای صبا ہازرین گوی کہ جانوں چون است	آن گل نازہ آن پنجہ خنداں چون است
ہا کہ مے می خورد آں ظالم و درمی خوردن	آں مرغ پر خمی دآں زلف پریشاں چون است
چشم بدخوش کہ ہشیار نہ باشد مست است	چشم میگوش کہ دیوانہ کند آن چون است
روی زلف مبت عیار کساں ہر خوش اند	دل دیوانہ من پہاوی ایشاں چون است
روز باشد کہ دم رفت و در آن لب بماند	یار پائیں یوسف گم گشتہ بزدان چون است

پچھتے پوچھتے دفعۂ خیال آتا ہے کہ معشوق کے ذکر میں اپنا تذکرہ خلافت عاشقی ہے،
اس لئے ان سب باتوں کو چھوڑ کر محویت سے کہتا ہے۔

ہم بہ جان و بہر جانان کہ کم و بیش گوتے
گو ہمیں یک سخن راست کہ جانان اکست
یعنی معشوق کی جان کی قسم ادھر ادھر کی باتیں نہ کہہ، صرف یہ بتا کہ معشوق کس حالت میں
ہے معشوق نے روزہ رکھا ہے، اُسپر عاشق کے دل میں جو جو خیالات پیدا ہو سکتے
ہیں ان کو دیہو کس طرح ادا کیا ہے۔

ماہ من روزہ میان شکرستان دارو
ای خوش آں روزہ کہ چادر لب جانان دارو
لبے آلودہ دہاں پر شکر و رگس مست
اسے سدا ماں اکس روزہ ہنسیاں دارو
خضر گر لبش آید، شکر روزہ خوش
کاں سپرد تیر لب چشمہ حیواں دارو
خون من می خورد آخر نوش نہاںیت
من گرفتہ کہ خود اور روزہ نہاں دارو
جان من گر تو قدم رنجہ کنی اینستہ تو
قدرے آب و چشم و دل بریاں دارو

معشوق سر و سامان کے ساتھ سوار آرہا ہے، عاشق پر حیرت طاری ہوتی ہے
کہ کیا آسمان سے چاند اتر آیا ہے؟ یہ خوشبو کیسی پھیل رہی ہے؟ کیا ہوا پھولوں
میں بس کر آم رہی ہے؟ پھر خیال آتا ہے کہ انہیں معشوق آتا ہے، لیکن ان دنوں
کے ہوتے کس کا ایمان سلامت رہیگا۔ اسلامی آبادی میں یوں انہیں ناچار پوچھ
ان خیالات کو مسلسل ادا کرتے ہیں،

کہ می آید و چنین یارب گر میرہ زمین آید
چہ گد دست اینکہ مخیر و کہ با جانین آید
کہ می راند چشمت را کہ سید راں چشمت راں شد
گدائیں با دق شمس کہ ہوئے با سہم آید
تبی و آفت تقوی و آخر این نمیرانی
کہ در شہر سدا ماں بنا بدلیں نہیں آید

ہمارا آتی ہے عاشق بارخ میں جاتا ہے، مجلس آرائی کے سامان ساتھ ہیں قاصد
کو معشوق کے پاس یہ پیغام دیکر پہنچتا ہے کہ بارخ میں عجیب بہا رہے، سترہ لب جو، اور

عالم آب کی سیر قابل دید ہے، ناقص دے یہ بھی کہہ دیا ہے۔ کہ (دہر) دہر کی باتوں میں ٹالنا
چاہے تو نہ ماننا، اور جس طرح ہو سکے ساتھ لانا، اور اگر عالم مستی میں ہو تو اسی طرح
مست اٹھانا، ان تمام خیالات کو تفصیل کے ساتھ ایک غزل میں ادا کیا ہے،

آمد بہار و شد چمن و لاله زار خوش دتے است خوش بہار کہ وقت بہار خوش
در باغ با ترانہ بلس دریں ہوا؟ مستی خوش است و بادہ خوش است بہار خوش
مایم دمطربے و شرابے و محشرے؟ جامے بزریر سایہ شاخ چنار خوش؟
ای باد کاہی گن و سوی و دست رو مارا کہن بہ آمدن آں نگار خوش؟
چیزے دگر گوئے ہمیں گو کہ در چمن سبزہ خوش است آب خوش جو بہار خوش
گر خوش کند ترابہ حسنے کہ با دگر پیش کن و بیار و شوز نہار خوش
در بندیش کہ مست بود خفتنش مدہ ہم بچپانش مست بہ نزد من آں خوش
من مست خوش حریفی ادیم کہ آں حرف سر خوش خوش است مست خوش شیار خوش
با و در اں زماں کہ مننش راہے دہد بازی خوش است و بوسہ خوش است گنا خوش
سر پیادہ خوش بود اندر چمن لیک آں سر دمن پیادہ خوش است سوار خوش
بہار میں کیا کیا چاہیے؟ اسکو تفصیل سے لکھتے ہیں،

ہنگام گل است بادہ باید؟ ساقی و حریف سادہ باید
گر غنچہ گرہ در ابر و افکند پیشانی گل کُتادہ باید؟
ساقی بر خیزد و یار نیشاں کہیں شستہ و آں ستادہ باید
واٹکا، حریف سادہ و مست در چنگ من و فتادہ باید؟

بہار کا سامان

بوستان جلوہ در گرفت اینک گل زرج پردہ در گرفت اینک

سلا وقت کسے خوش بودن ہو جائیے جگہ ہے۔ یعنی خداؤں کو خوش خودم رکھئے ۱۲

آتش لالہ برف و سخت را باد
دامن کوہ در گرفت اینک
بلبل آمد نشست بر سر گل
بے نوا بود، در گرفت اینک
غنجہ در پیش فاختہ را اصول
سبقتے تازہ بر گرفت اینک
ورق غنجہ را کہ تر شد ہ بود
در قش یکہ گرفت اینک

یعنی غنجہ کے ورق چونکہ خم تھے اس لئے چپک کر رہ گئے،

آب را گر چہ چشم با پاک است
بوستان را بر گرفت اینک
یعنی پانی کو پاک نظر ہے تاہم اُس نے باغ کو سینہ سے لٹایا،

خارجوں تیز کرہ پیکان را
گل بصد تو سپر گرفت اینک
طوطی آغزا ز شعر خرد کرد
روی گل و رشک گرفت اینک

حدت جیسا کہ ہم او پر لکھ آئے ہیں امیر صاحب کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے سینکڑوں
نئی تشبیہیں ایجاد کیں، اور یہ دعویٰ بدیہی دعویٰ ہے، اُن کی ایک غزل بھی ہمیں
مل سکتی جس میں کوئی نہ کوئی جدید تشبیہ نہ ہو، چند مثالیں ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں
رازخوں آلود خوشالی دل منہاں برآ
کین بق خامست حرف زوی برخواہد گذشت

اے دل اپنا ہید مجھ سے نہ کہہ، کیونکہ یہ کاغذ کچا ہے اس میں حرف پھوٹ نکلیگا

زلف او پہلو کے خال لب او
گوئی از شہد کس سے زائد

نہ ر و دمہ براوج و رشب تار
تا ز زلف تو نہ زبان نہ برو

یعنی چاند اندیسے رات میں بلندی پر نہیں چڑھ سکتا، جب تک تیری زلفوں کی
سیرتھیاں نہ لگائے،

(چہرہ کو چاند اور زلف کو زینہ سے تشبیہ دی ہے)

ہست محراب چون کف دست بردار لالہ جام
خوش کف دتی کہ چندین جام صہا بر گرفت

اس مضمون کو دانش شہیدی نے عجیب لطیف پیرایہ میں بدل دیا ہے۔

دیدہ ام شاخ گلے بر خوش بے چم ککاش می توانستم یک دست این قدر سائز گرفت
یعنی مین نے ایک ڈالی پہلوں سے بہری دیکھی، اور تڑپ گیا کہ کاش مین ایک
ہاتھ مین اتنے ہی پیالے لے سکتا
غلام نرگس ستم کہ بامداد بنگاہ قح بدست گرفتہ ز خواب ہنخرو

گلستان نسیم سحر یافتہ است صبا غنچہ راختہ در یافتہ است
چنان خواب دیدہ است نرگس خواب کہ گویا بیگہ جام زریا یافتہ است
نرگس کے پھول مین جو زرد و کٹوری ہوتی ہے، اُس کو جام زری سے تشبیہ دیتے ہیں
اور یہ تشبیہ عام تھی، لیکن اس اسلوب بیان نے کہ نرگس نے خواب مین دیکھا
کہ اس کو جام زریا ہات آگیا ہے ایک خاص لطف پیدا کر دیا۔ اور چونکہ نرگس
کو مخمور اور خواب آلود باندھتے ہیں اس لئے خواب دیکھنے کی توجیہ اقصیت
کا پہلو رکھتی ہے،

میروی و گریہ آید مرا ؟ سادے نشیں کہ باران بگذرد
اُنسو کی جھڑی کو سب بارش سے تشبیہ دیتے آئے ہیں لیکن یہ بالکل نیا اسلوب ہے کہ
معتوق سے کہتے ہیں کہ تیرے چائیکے وقت چکوروں آتا ہے، اتنا ٹھہر جا کہ بارش تمہاری
مزید لطف پہ ہے، کہ معتوق کا جاننا ہی اس بارش کی علت ہے اس لئے وہ جانا چاہیگا
تو بارش ہوگی اور اس لئے وہ کہیں نہ جان سکے گا،

مے میسان شیشہ سائے نگر ؟ اُنسے گویا بہ آپ آلودہ اند ؟

ابر اندوہ سناغزلانہ شرباب کرو در گوش ہائی باغ غیبے در تاب کرو
فرش بارغ بارگہ خود بہ بارش زدہ دانگہ بر آب انگر کہ سیم از حباب کرو

رنگس کہ شبِ خفت ز فریادِ لبِ کمان
بہادِ سر پہ بالِش گلِ ہیلِ خوابِ گو

مضمون آفرینی خیالِ بندی اور مضمون آفرینی کا موجد کمالِ اسمعیل خیال کیا جاتا ہے لیکن کمال کی جدتِ قصائد کے ساتھ مخصوص ہے، مغزل میں اس نے اس رنگ کی مطلق آمیزش نہیں کی ہے، مغزل میں نئے نئے مضامین اور نئے نئے اسلوب پیدا کرنے نے امیر صاحب کا ایجاد ہے، اور انہیں پر خاتمہ بھی ہو گیا، متاخرین کی مضمون آفرینیاں گو حد سے بڑھ گئیں، لیکن اس کا دوسرا انداز ہے، وہ اور سلسلہ کی چیز ہے، چنانچہ آگے چل کر اس کی حقیقت کھلے گی،

امیر صاحب کی مضمون آفرینیاں مختلف قسم کی ہیں، مثالوں سے اندازہ ہوگا

بہ خانہ تو ہمہ روز با ملاو بود ؟	کہ آفتاب نیار و شدن بلند آفتاب
تیرے گہر میں ہمیشہ صبح رہتی ہے	کیونکہ وہاں آفتاب و چنچا نہیں ہو سکتا
زلف تو سیمہ چراست مانتا ؟	سبب اور آفتاب گشتہ است ؟
مشتبہ ہے شودم قبلہ ز رویت چہ غم	کہ زابروئے تو چشم بہ دو محراب افتاد
چشم مست تو کہ دی برین بنیاب افتاد	تو نیفکندی از آلودگی خواب افتاد

زہر آن چنین تاریک یا شہ خانہ چشم
کہ ہرگز آفتاب من درین درون نمی آید

پیش تو آفتاب توان جست ؟

روزر روشن چراغ نتوان کرد

مے روی و گریہ سے آید مرا ؟

ساعتے بنشین کہ باران بگدرد

دل من بہ زلف و رویت شد اسچو نگرود
شب ہفتاب دزدے کہ بہ خانہ در آید

مہ عمر دراز عاشقان گریہ
شب بچہ دان حساب عمر گیرند
یعنی اگر شب بچہ کو بھی شامل کر لیا جائے تو عاشقوں کی عمر کن قدر بڑی ہوتی ہے
زلف ازلن می بردن شوخ کہ شبہائی غم غم
گر شود کو نہ ازان جاہد پیوند کند
یعنی اپنی زلف وہ اس لئے تراشتا ہے کہ میرے غم کی راتیں چھوٹی ہو جائیں
توان مین جو رنگا کہ بڑھاوے

راہی است برائے بردن دل
ابرؤے تو کز میان کشا دست
یعنی تیرے دونوں ابرؤں کے درمیان میں جو فاصلہ ہے اس لئے ہے کہ دل لے جائیکے لئے راستہ رہے
زلف سرو پا شکستہ زن است
کز سرو بلندت اوقتا دست
بیک شب بخت خویش چراغیم گرم کن
تا قصہ اندوہ تو ہم پیش تو خوانم
یعنی کسی رات کو اپنے چہرہ کا چراغ عنایت کرو کہ میں اس کی روشنی میں اپنا قصہ تمہارے سنا کر چھڑاؤں
خانہ چشم من خراب شدہ است
کہ بہ بنیاد خانہ نام رفتہ است

کسے نمائند کہ دیگر بہ تیغ ناز کشی
مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

شکرین لعل تو کان نکلاست
گرچہ شکر نہ مکان نکلاست
آب روی تو ملاحمت افزود
گرچہ از آب زیاں نکلاست

خواہی ایجان برود خواہ بین باش کن من
مرونی منیتیم امروز کہ جانان اینجا است

آئینہ گردا حسن دی از آسمان ہواں
یعنی اُسکے حسن نے آسمان سے آئینہ مانگا ہے
برخواست آفتاب پڑے نو جواب کرد
آفتاب نے ادب سے زانو ٹیک کر کہا کہ حاضر ہے
سر ابروی تو گردم گر شش باز کشائے
کہ کمالت نہ بہ اندازہ بازوی کسے است

ہر چند کہ زلف تو سپاہی است جہانگیر
زین گوئے پریشان نتوان کرد سپہ را

بہ سایہ خفتہ بدم سن کہ یار آمد و رفت
اکثر شاعرانہ اجتماع انقضائیں ثابت کرتے ہیں اور وہ طبیعت پر استعجاب کا اظہار کرتا ہے
ع۔ دروید داوی و درمائی ہنوز،
ع۔ یاد باد آنکہ ہمہ عمر نہ کردی یاد م
صنائع امیر صاحب نے اعجاز خسروی میں صنائع و بدائع پر اس قدر بہت صرف کی کہ
ہکو بڑا ڈر تھا کہ جو حال انہوں نے بچھایا اُس میں خود بھی پھنس جائیں، لیکن عجیب
حسن اتفاق ہے کہ جن جن لوگوں نے صنائع و بدائع کو فن بنایا اور اُسپر مستقل کتابیں
لکھیں، مثلاً فرخی و ابن المعتز وغیرہ وہ خود اس بدعت سے محفوظ رہے،
امیر صاحب، اور ونکی بہ نسبت کسی قدر آلودہ ہیں تاہم ان کے صنائع بہت پیچھے
نکلتے بھی ہوتے ہیں اور اس حد تک نہیں پہنچتے کہ نکتہ گیری کی زمین ان میں صنعت بنا
یعنی اضداد ان کی خاص مرغوب چیز ہے اور وہ اُسکو بڑی خوبی سے پہنچتے ہیں۔ ع۔
دروید داوی و درمائی ہنوز

زہرِ دہر سان آزاد گردم
اگر تو ہشتین بندہ باشی

میں دل ریش ریش رہا کشتی بہ خمر
کرم کردی اپنی زندہ باشی

گقیم ناخوش چہرہ کی خسرو! چون کٹم؟ آن شکل آن لائش است

بندہ را دغم تو نیست خبر؟ ہمہ یا ران بندہ را نجیب است

خرو سالے بہ من کند بیداد اے بزرگان شہر داد و دید

عزیزیت [اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ امیر صاحب کو عربی علم ادب میں کمال تھا۔ اور اس فن کی تادرتنا بین ان کے حافظہ میں خندون تھیں تاہم ان کو اس فن میں دعویٰ نہیں، معزۃ الکمال کے دیباچہ میں عربی کے چند شعار لکھے ہیں، جس سے یہ ظاہر کہ نامقصود تھا کہ باوجود اعتراف عجز کے ان کو اس زبان پر کس قدر قدرت ہے اشعار یہ ہیں،

ذباب القواد و سال من عین اللہ وکل اللہ امع کل طانا الکلم

دل نہیں گیا، اور آکھ سے خون نہا
و اذا امحت لک الیوم کبر النجوم
اور بین لوگوں کے سامنے فرق کی تکلیف بیا کرتا ہوں
یہا ذل العشاق دعویٰ باکیا

اور آنسوؤں نے وہ سب کہیدیا جو میں چھپاتا تھا
بنی العجبۃ والاعنادی تن حرم
تو دوست روتے ہیں اور دشمنوں کو رحم آتا ہے
ان السکون علی المحب صحرهم

چپ رہنا عاشق پر حرام ہے
ادنا مع تو مجھے رونے دے

طول الیالی کیف بات متیم
من بات مشتے فہو یلیر خلیتے

کہ عاشقوں کی رات کس طرح گذرتی ہے
جو شخص میری طرح رات گذارے وہ اللہ سے ہم سنگ ہو

اچا ز خسروی میں، مہر فی زبان میں مخلوط لکھتے ہیں، جن سے ان کی عزیزیت کا اندازہ ہو سکتا ہے اگرچہ ان میں قافیہ بندی اور نحو تکلفات ہیں، لیکن یہ اس زمانہ کا عام انداز تھا، ان پر لازم نہیں آسکتا۔

دان انا الا من حریة ان غوت غویت وان ترشد غزیر ارشد
 میں ہر حال قبیلہ غزیرہ کا آدمی ہوں، غزیرہ گمراہ ہے تو میں بھی گمراہ ہوں، اور وہ ٹھیک راستہ
 پر ہے تو میں بھی ہوں۔

صنائع و بدائع امیر صاحب نے صنائع اور بدائع میں جو زور آوریان صرف کیے ہیں اگرچہ
 کوہ کندن اور کاہ برآوردن ہیں، لیکن اس لحاظ سے کہ انکی محنت بالکل ناگہان
 نہ جانے پائے، اُن کا اچھا تذکرہ کرنا ضرور ہے

ان میں بہت سی صنعتیں وہ ہیں جو عربی میں موجود تھیں، لیکن فارسی میں
 اُن کا ادا کرنا اس لئے مشکل تھا کہ فارسی زبان کی کم و سستی اس کی تھیں نہیں
 ہو سکتی، مثلاً صنعت منقوطہ یعنی عبارت میں ایسے الفاظ لانا جن کا ایک
 ایک حرف نقطہ دار ہو، امیر صاحب نے اس قسم کی صنائع میں صفحے کے
 صفحے لکھے ہیں، بعض فارسی میں تھیں، لیکن ایک آدھ سطر سے زیادہ کوئی
 شخص کہہ نہ سکا، امیر صاحب نے ورق کے ورق لکھے، بعض صنائع میں انہوں
 نے تصرفات کئے، اور بعض بالکل خاص ان کے ایجاد ہیں، چنانچہ ہم ابھی
 کو مختصر طور پر لکھتے ہیں

دور و دور یعنی ایسی عبارت لکھنی کہ نقطوں کے رد و بدل سے دو مختلف ہانوں میں
 پڑھی جاسکے اور ہا یعنی ہو امیر صاحب نے اس صنعت میں کئی صفحے لکھے ہیں لیکن
 کاتبوں کی غلط نویسی سے انکا صحیح پڑھنا ناممکن ہے، اسلئے صرف ایک آدھ سطر
 پر اکتفا کرتا ہوں،

ریدی، ہمدیدی، مرادی، ہرقانی
 زمانے بیاشی، بہ یاری ہشتائی
 اس شعر کو اگر فارسی میں پڑھیں تو اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے۔

داور دوران را، ارج

امیر صاحب نے اس صنعت پر کئی صفحے کی عبارت لکھی ہے،

الرابعة الاحرف، اس صنعت پر امیر صاحب کو بہت ناز ہے، کئی کئی سطروں کی بامعنی عبارت لکھی ہے، اور یہ التزام کیا ہے کہ صرف چار حرف یعنی الف، ہ، واو، آ کے سوا، اور کوئی حرف نہ آنے پائے، یعنی تمام الفاظ صرف انہی حرفوں سے بنے ہوں، لیکن جو عبارت لکھی ہے، وہ بالکل سہل معلوم ہوتی ہے اور اس کا پڑھنا سخت مشکل ہے۔

معجزة الاستمالة والشفاء، اس صنعت پر اور بھی ان کو ناز ہے اس میں ایسے الفاظ جمع کئے ہیں کہ سطروں کی سطریں پڑھتے جاؤ، لیکن کہیں ہونٹوں کو جنبش نہیں ہوگی، صرف حلق سے تمام الفاظ نکلیں گے،

ترجمہ الملقط، یہ صنعت بھی خاص ان کی ایجاد ہے، اس میں یہ التزام ہے کہ جو لفظ آتا ہے، اس کے بعد کا لفظ دوسری زبان کے لحاظ سے پہلے لفظ کا ترجمہ ہو جاتا ہے، مثلاً
سوادى رخ تو کشت مارا،

یہ فارسی مصرع ہے۔ لیکن کشت کا اگر اردو میں ترجمہ کر میں تو "مارا" ہوگا اس لئے مصرع کا اخیر لفظ، پہلے لفظ کا ترجمہ بھی ہے، امیر صاحب نے اس صنعت میں پورے صفحہ کی عبارت لکھی ہے

محتل المعانی، ایک شعر میں ایک لفظ لائے ہیں کہ اس کے ساتھ معنی ہیں، اور ہر معنی وہاں مراد دئے جاسکتے ہیں

موقوف الآخر، ایک رباعی لکھی، اس کا ہر قافیہ، دوسرے مصرعہ کی آغاز کا محتاج رہتا ہے،

در حسن تر، کے نمائندہ
 خورشید کہ ہر صبح بروز آید تا
 خدمت کنندہ پائے تو پوسد، آگاہ
 بی بی تو بسوی او، چو پا پوسد تا
 اپنی صنعتوں اور بیجا کاوشوں میں کئی تہلہ بین لکھہ ڈالی ہیں اگر کسی صاحب کو
 ایسے صاحب کا زیادہ مغز کا دی مقصود ہو تو اعجاز خودی موجود ہے
 مطالعہ فرمائیں



دیگر تصانیف مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ

سیرۃ النعمان

یعنی امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی سوانح عمری حصہ اول و دوم مولفہ شمس العلماء حضرت مولانا شبلی نعمانی مرحوم و مخدوم

اس کتاب کے پہلے حصہ میں امام ابو حنیفہ کا نام و نسب ولادت و حسن رشد تعلیم تربیت شیوخ حدیث درس اقتدار بقیہ زندگی اور دربار کے تعلقات وفات عام اخلاق و عادات مناسبات و فتادی ذہانت طبائی اس قسم کے حالات نہایت تفصیل سے مذکور ہیں

دوسرے حصہ میں اصول و مسائل سے جو علم کلام اور فن حدیث سے متعلق ہیں تفصیلی بحث ہے اور واقعات و اسانید کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ فن حدیث میں ان کا کیا پایہ تھا فن فقہ پر تفصیلی ریویو ہے جس میں ندوین فقہ کے تاریخی حالات کے ساتھ تمام خصوصیات تفصیلاً بیان کی گئی ہیں جنگی وجہ سے فقہ حنفی کو دیگر ائمہ کے فقہوں پر ترجیح حاصل ہے۔ خاتمہ میں امام صاحب کے نامور اور ممتاز شاگردوں کے مختصر حالات ہیں یہ کتاب کئی بار چھپ چکی ہے اس مرتبہ سب سے پہلے ایڈیشن سے نقل کر کے نہایت صحت کے ساتھ شاہچراغی پریس ملی میں طبع ہوئی ہے۔ لکھائی نہایت واضح چھپائی بہت صاف کاغذ سفید اور پیرقیمیٹ ڈیڑھ روپیہ غیر علاوہ محصول ڈاک عائد قیامت عمر

الماسون۔ یعنی نامور فرمان روا یان اسلام کا پہلا اور دوسرا حصہ مولفہ شمس العلماء حضرت مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

اس کتاب کے دو حصے ہیں پہلے حصہ میں تمہید ترتیب خلافت ماسون رشیدی کی ولادت تعلیم و تربیت دلیہ ہمدی تخت نشینی بخانہ جنگلیاں خدمت حاکمی اور وفات کے حالات بیان ہیں۔

پہرہ۔ نذیر حسین و شریف حسین مالک جھانی پریس محلہ گڑھی بارہاں جامع مسجد دہلی

و در حصہ میں اُن مراتب کی تفصیل ہے جن سے اس عہد کے ملکی حالات اور مامون
 رشید کے تمام اخلاق و عادات کا اندازہ ہو سکتا ہے نیز اُن تمام کارناموں کی تفصیل ہے
 جنکی وجہ سے مامون رشید کا عہد عموماً شاہان اسلام کے عہد سے علمی حیثیت میں ممتاز
 تسلیم کیا گیا ہے۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ عہد علاوہ محصول ڈاک کے عایدی قیمت عہد

سفر نامہ روم و مصر و شام۔ مؤلف شمس العلماء حضرت مولانا شبلی نعمانی رح
 جس میں علاوہ اُن خبری و نجیب واقعات کے جو سلسلہ بیان میں آگئے ہیں۔ قسطنطنیہ و
 قاہرہ بیت المقدس وغیرہ کے متعلق واقعات ذیل یعنی شہر کی عام اجمالی حالت قابل دید
 مقامات مشہور عمارت۔ سررشتہ تعلیم۔ دارالعلوم اور مدارس بلورڈاک و طلبہ کی تربیت
 تعلیم نسواں مصنفین اور تصنیفات کتب خانے۔ اخبارات اور رسالے مشہور پاشاؤں
 اور باب کمال کی ملاقات۔ ترکوں اور عربوں کے اخلاق و عادات کو بالتفصیل لکھا ہوا آخر
 میں اُن الفاظ مولدہ کی مختصر سی فرہنگ ہے جو آج کل مصر و شام میں متعل ہو گئے ہیں اور
 جتنے بڑھانے کی وجہ سے لوگ عربی اخبارات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے قیمت ڈیڑھ روپیہ عہد
 علاوہ محصول ڈاک۔ رعایتی قیمت عہد

اورنگ زیب سیب پر ایک نظر۔ مولانا شبلی نے خاضین عالمگیر کے اعتراضات کو نہایت
 تحقیق اور انداز سے غلط ثابت کر کے اس حلیل القدر بادشاہ کے محامد اور اوصاف

کرامت کے بہت قابل دید ہے۔ قیمت ۸ علاوہ محصول ڈاک رعایتی قیمت ۶
 مجموعہ کتب شبلی۔ اس کتاب میں مولانا کی وہ تمام نظمیں موجود ہیں جو انہوں نے مختلف جگہوں
 میں شاعری میں لکھی ہیں۔ اکثر نظموں میں سیاسی چاشنی بھی ہے آخر میں مولانا مرحوم کے مختصر حالات
 مولوی بہار علی صاحب دہلوی مولف فرہنگ صندیل اور مولوی محمد سلیم صاحب شعر و گوشتی
 نے نظمیں لکھی ہیں۔ قیمت ۸ علاوہ محصول ڈاک رعایتی قیمت ۶

اورنگ زیب سیب پر ایک نظر۔ مولانا شبلی نے خاضین عالمگیر کے اعتراضات کو نہایت
 تحقیق اور انداز سے غلط ثابت کر کے اس حلیل القدر بادشاہ کے محامد اور اوصاف

[illegible]

928591001

CALL No. { 928591001 } ACC. No. 4252

AUTHOR شیخ نوری

TITLE بیان مسعود

T26.12.97

THE BOOK MUST BE CHECKED AT THE TIME OF ISSUE



MAULANA AZAD LIBRARY ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

RULES:—

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of Re. 1-00 per volume per day shall be charged for text-books and 10 Paise per volume per day for general books kept over - due.

